الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

سب سے زیادہ غلطی پر وہ شخص ہے جس کے پاس
یہ کہنے کو نہ ہو کہ ——— میں نے غلطی کی

شمارہ ۴۰
مارچ ۱۹۸۰

زرتعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
دو روپے

الرسالہ

مارچ ۱۹۸۰
شمارہ ۴۰

جمعیۃ بلڈنگ ، قاسم جان اسٹریٹ ، دہلی ۶ (انڈیا)

ایک اپیل

اسلامی مرکز ایک خالص تعمیری اور دعوتی ادارہ ہے۔ اس کی تجویز اولاً ہفت روزہ الجمعیۃ ۲۷ نومبر ۱۹۷۰ میں پیش کی گئی تھی۔ اس کے بعد متعدد عرب جرائد نے اس پر مفصل تعارفی مضامین شائع کئے (مثلاً الاسبوع الثقافی، طرابلس ۸ اکتوبر ۱۹۷۶، المختار الاسلامی، قاہرہ نومبر ۱۹۷۹) بیروت اور قاہرہ سے "نحو بعث اسلامی" کے نام سے ۳۲ صفحات پر مشتمل عربی زبان میں ایک تعارفی کتابچہ چھپا جو اب تک سات بار شائع ہو چکا ہے اور عالم اسلام میں پھیلا ہے۔ ۱۹۷۶ میں ایک باقاعدہ رجسٹرڈ ادارہ کی حیثیت سے اسلامی مرکز کا قیام عمل میں آیا

الرسالہ اسی اسلامی مرکز کا ترجمان ہے۔ اس کا پہلا شمارہ اکتوبر ۱۹۷۶ میں نکلا تھا۔ اس مدت میں اللہ نے اس کو غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی۔ اب الرسالہ محض ایک پرچہ نہیں، اب وہ ایک تحریک بن چکا ہے۔ الرسالہ آج نہ صرف ہندستان کے مختلف حصوں میں مسلسل پڑھا جا رہا ہے بلکہ ہندستان کے علاوہ ڈیڑھ درجن بیرونی ملکوں میں بھی اس کی آواز پہنچ رہی ہے۔ عربی زبان میں بھی اس کے مضامین ترجمہ ہو کر شائع ہو رہے ہیں۔

اسلامی مرکز کی یہ تحریک، الرسالہ اور اس کی مختلف مطبوعات کے ذریعہ، اب ایسے مرحلہ میں پہنچ چکی ہے کہ وقت آگیا ہے کہ اس کو مزید مستحکم اور منظم بنایا جائے اور اسلامی مرکز کے بقیہ منصوبے زیر عمل لائے جائیں۔ اس نئے مرحلہ کے آغاز کے لئے ہم کو سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایک عمارت ہے۔ دہلی میں اسلامی مرکز کی اپنی عمارت ہو جائے تو یہ تحریک زیادہ مستحکم بنیادوں پر قائم ہو جائے گی اور اس مشن کے تحت دوسرے عملی پروگرام شروع کرنا بھی ممکن ہو جائے گا۔

الرسالہ کے ایک ہمدرد نے دہلی میں اس مقصد کے لئے ایک زمین دینے کی پیش کش کی ہے۔ یہاں تعمیرات کر کے اسلامی مرکز کی اپنی عمارت قائم کی جا سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم ایک "تعمیر فنڈ" کھول رہے ہیں اور الرسالہ کے مشن سے دلچسپی رکھنے والوں سے تعاون کی اپیل کر رہے ہیں۔ اس فنڈ میں ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق حصہ لے سکتا ہے۔

اسلامی مرکز ۔ دفتر الرسالہ ۔ جمعیۃ بلڈنگ ۔ قاسم جان اسٹریٹ ۔ دہلی ۶ (انڈیا)

گرہن اللہ کی یاد کے لئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سب سے آخری ابراہیم تھے۔ وہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے ۹ ھ میں پیدا ہوئے تقریباً ۱۸ ماہ کی عمر میں ابراہیم کی وفات ہوگئی۔ جس دن ان کی وفات ہوئی اس دن سورج گرہن تھا۔ محمود پاشا فلکی کی تحقیق کے مطابق یہ ۲۹ شوال ۱۰ ھ کی تاریخ تھی۔ قدیم زمانہ میں گرہن کے متعلق طرح طرح کے توہماتی خیالات پھیلے ہوئے تھے۔ انھیں میں سے یہ تھا کہ جب کوئی بڑا آدمی مرتا ہے تو سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتا ہے۔ ابراہیم کی وفات کے دن جب سورج گرہن پڑا تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ پیغمبر کے بیٹے کی موت کی وجہ سے یہ سورج گرہن ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے بتایا کہ موت کے واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ابوموسیٰ اشعری رضؓ کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

هٰذِهِ الآياتُ التي يُرسِلُ اللهُ لا تكونُ لموتِ احدٍ ولا لحياتِهِ ولكن يُخوِّفُ اللهُ بها عبادَهُ فاذا رأيتم شيئًا من ذلك فافزَعوا الى ذكرِهِ ودعائِهِ واستغفارِهِ (متفق علیہ)

یہ نشانیاں جو اللہ بھیجتا ہے وہ نہ کسی کی موت کی وجہ سے ہوتی ہیں اور نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے بلکہ ان کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ پس جب تم اس قسم کی چیز دیکھو تو ڈر کے ساتھ اللہ کو یاد کرو اور اس کو پکارو اور اس سے مغفرت مانگو۔

سورج گرہن یا چاند گرہن محض اتفاقاً نہیں ہوتے بلکہ متعین فلکیاتی قانون کے تحت ہوتے ہیں۔ سورج اور چاند دونوں نہایت محکم قدرتی اصول کے مطابق حرکت کر رہے ہیں۔ اس حرکت کے دوران کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زمین، سورج اور چاند کے درمیان آجاتی ہے، اس طرح سورج کی روشنی چاند تک نہیں پہنچ پاتی اور چاند گرہن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چاند، زمین اور سورج کے درمیان آجاتا ہے، اس کے نتیجہ میں سورج کی روشنی زمین تک نہیں پہنچتی اور وہ صورت پیش آتی ہے جس کو سورج گرہن کہا جاتا ہے۔ گویا سورج گرہن کا مطلب سورج کا چاند کے اوٹ میں آجانا ہے اور چاند گرہن یہ ہے کہ زمین کے اوٹ میں آجانے کی وجہ سے سورج کی روشنی چاند تک نہ پہنچے۔ یہ جو کچھ ہوتا ہے معلوم فلکیاتی نظام کے مطابق ہوتا ہے۔ مثلاً ۱۶ فروری ۱۹۸۰ کو جو سورج گرہن پڑا وہ بہت پہلے سے فلکیات دانوں کو معلوم تھا اور نہایت صحت کے ساتھ اس کے اوقات متعین کئے جا چکے تھے اور انھیں متعین اوقات کے مطابق وہ شروع اور ختم ہوا۔ اس طرح کے گرہن برابر ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ ان کے دکھائی دینے کے علاقے الگ الگ ہوتے ہیں۔ کہیں مکمل گرہن دکھائی دیتا ہے اور کہیں جزئی گرہن۔ مکمل سورج گرہن کے وقت سورج کی روشنی تقریباً ایک ہزار گنا کم ہو جاتی ہے۔

سنت یہ ہے کہ سورج گرہن اور چاند گرہن کے موقع پر نماز پڑھی جائے۔ یہ نماز اللہ کے آگے اپنے عجز اور بے بسی کا اظہار ہوتا ہے۔ سورج اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ نے ہمارے لئے روشنی اور حرارت کا مستقل انتظام کیا ہے۔ سورج گرہن یہ بتانے کے لئے ہوتا ہے کہ جس خدا نے اس کو روشن کیا ہے وہی اس کو ماند بھی کر سکتا ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جس نعمت کو جب چاہے واپس لے لے۔ اس لئے جب گرہن ہو تو آدمی کو چاہئے کہ اللہ کو یاد کرے۔ اللہ کے مقابلہ میں اپنی محتاجی کا تصور کر کے اللہ کے آگے گر پڑے۔ وہ پکار اٹھے کہ "خدایا اگر تو سورج کو بجھا دے تو کوئی اس کو جلانے والا نہیں۔ اگر تو ہم کو روشنی

اور حرارت سے محروم کر دے تو کوئی ہم کو روشنی اور حرارت دینے والا نہیں "۔

" گرہن " کا یہ معاملہ صرف چاند اور سورج کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اس قسم کے واقعات اللہ کی دوسری نعمتوں کے ساتھ بھی مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں۔ صحت کے ساتھ بیماری گویا جسم کا گرہن ہے اور اچھے موسم کے ساتھ خراب موسم گویا فضا کا گرہن۔ اس طرح ایک ملی ہوئی نعمت کو تھوڑی دیر کے لئے روک کر اس کے نعمت ہونے کا احساس دلایا جاتا ہے تاکہ آدمی کے اندر شکر کا جذبہ ابھرے اور وہ یہ سوچے کہ اگر اللہ اس کو مستقل طور پر چھین لے تو آدمی کا کیا حال ہوگا۔ اللہ کو اپنے بندوں سے سب سے زیادہ جو چیز مطلوب ہے وہ یہ کہ وہ اپنے رب سے ڈریں۔ انسان کو ڈرنے والا بنانے کے لئے جو اہتمام کئے گئے ہیں ان میں سے ایک قسم کا اہتمام وہ ہے جس کو "گرہن" کہا جاتا ہے۔

زمین مسلسل حرکت میں ہے۔ اس کے علاوہ زمین کے گولے کا اندرونی حصہ نہایت گرم پگھلے ہوئے مادہ کی صورت میں ہے جو ہر وقت کھولتے ہوئے پانی کی طرح جوش میں رہتا ہے۔ اس کے باوجود ہمارے قدموں کے نیچے زمین کی سطح بالکل ٹھہری ہوئی حالت میں ہے۔ یہ ہمارے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔ مگر عام حالات میں ہم کو اس کے نعمت ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔ اس لئے کبھی کبھی بھونچال کے ذریعہ زمین کی اوپری سطح کو ہلا دیا جاتا ہے تاکہ آدمی یہ جانے کہ خدا نے اس کے لئے تباہ کن لاوا کو کس طرح بند کر رکھا ہے۔ اگر وہ اس کو آزاد کر دے تو انسان کا کیا حال ہو۔ اسی طرح بارش ایک عجیب وغریب نعمت ہے۔ سورج کے اثر سے پانی کے بخارات کا اٹھ کر اوپر جانا، ان کا بدلیوں کی صورت میں جمع ہونا اور پھر ہوا کے ذریعہ جگہ جگہ باران رحمت بن کر نازل ہونا اور پھر زمین کو سرسبز و شاداب کرنا، یہ سب رحمت خداوندی کے عجیب وغریب کرشمے ہیں جو وہ مستقل طور پر اپنے بندوں کے لئے کرتا رہتا ہے۔ مگر خود بخود ملتے رہنے کی وجہ سے آدمی اس نعمت کی قدر بھول جاتا ہے اس لئے کبھی کبھی زمین پر خشک سالی پیدا کی جاتی ہے تاکہ آدمی کا شعور جاگے اور وہ خدا کی نعمت کی قدر کر سکے۔ ہوا کیسی عجیب وغریب نعمت ہے۔ ہوا ہر آن ہم کو تازہ آکسیجن پہنچا رہی ہے۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے خدائی پنکھے کی طرح ہم کو فرحت بخشتے رہتے ہیں۔ ہوا بارش کے نظام کو درست کرتی ہے۔ ہوا کے بے شمار فائدے ہیں۔ مگر جس طرح وہ ہماری آنکھوں کو نظر نہیں آتی اسی طرح اس کی اہمیت بھی ہمارے شعور سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اس لئے کبھی کبھی ہوا کو طوفان بنا دیا جاتا ہے تاکہ آدمی یہ جانے کہ ہوا کی صورت میں اللہ نے اس کی زندگی کے لئے کیسا حیران کن انتظام کر رکھا ہے۔ اسی طرح ہر چیز کا ایک "گرہن" ہے اور وہ اس لئے آتا ہے کہ آدمی کے اندر نعمت کے احساس کو جگائے۔

قرآن (واقعہ) میں ارشاد ہوا ہے: " اس چیز کو دیکھو جس کو تم بوتے ہو۔ تم اس سے کھیتی اگاتے ہو یا ہم ہیں اس کو کھیتی بنانے والے۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو بھس بنا کر رکھ دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم قرضدار ہو گئے بلکہ ہم تو بالکل محروم ہو گئے۔ پانی کو دیکھو جس کو تم پیتے ہو۔ کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہیں اتارنے والے۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو کھاری کر دیں پھر کیوں تم شکر نہیں کرتے۔ آگ کو دیکھو جس کو تم جلاتے ہو۔ کیا تم نے اس کا درخت پیدا کیا ہے یا ہم ہیں اس کے پیدا کرنے والے۔ ہم نے ہی اس کو بنایا یاد دلانے کے لئے اور تمہارے برتنے کے لئے۔ پس اللہ کے نام کی پاکی بیان کرو جو سب سے بڑا ہے "۔ ہماری پوری زندگی ایسی خدائی نعمتوں کے اوپر کھڑی ہے جو کسی بھی لمحہ واپس لی جا سکتی ہیں۔ اس لئے آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے خالق و مالک کا شکر گزار رہے تاکہ وہ اپنی نعمتوں سے کبھی اس کو محروم نہ کرے۔ یہ شکر گزاری ہی آدمی کو خدا کی نعمتوں کا مستحق بناتی ہے، موجودہ دنیا میں بھی اور موت کے بعد آنے والی آخرت میں بھی۔

یہ اختلاف کیوں

مباحثہ کی میز کے چاروں طرف کمرہ میں ایک درجن آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایسے موقع پر کوئی موضوع چھیڑا جائے تو اس کے بارے میں لوگوں کی رائیں مختلف ہو جائیں گی۔ ہر آدمی کوئی نیا پہلو نکالے گا اور الگ رائیں دے گا۔ ایک سیدھی بات بھی تشریح و تعبیر کے فرق سے ایک درجن شکلیں اختیار کرے گی۔ لوگوں کو ایک متفقہ رائے پر لانے کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوگی۔ اب اسی کمرہ میں حکومت وقت کا وزیر مالیات داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں مختلف رنگ کی بہت سی گولیاں ہیں۔ ان میں سے ایک گولی سفید ہے۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ اس سفید گولی پر ایک ملین ڈالر کا انعام ہے۔ میں اس کو اچھال کر گراؤں گا۔ جو شخص سفید گولی پائے گا اس کو ایک ملین ڈالر نقد انعام دیا جائے گا۔ اس کے بعد جب وہ گولیوں کو میز پر بکھیرے گا تو تمام لوگوں کی توجہ "سفید گولی" پر لگ جائے گی۔ دیکھنے میں اگرچہ وہاں بہت سی گولیاں ہوں گی مگر حاضرین میں سے کوئی نہ ہوگا جو سفید گولی کے سوا کسی اور گولی کی طرف متوجہ ہو۔ اب فرض کیجئے کہ اسی کمرہ میں دوسرا شخص داخل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک بکس ہے۔ وہ اپنا بکس میز پر رکھ کر اس کو کھولتا ہے اور اس کے اندر سے ایک کالا سانپ نکل کر میز پر چلنے لگتا ہے۔ اس کے بعد کمرے کے حاضرین کا جو حال ہوگا اس کا تصور ہر شخص کر سکتا ہے۔ دوبارہ ہر آدمی کی توجہ "سانپ" کے اوپر جم جائے گی۔ ہر آدمی صرف ایک چیز سوچے گا: بھاگ کر اپنے کو سانپ کی زد سے بچائے ——— شدتِ طلب یا شدتِ خوف رایوں کے فرق کو ختم کر دیتا ہے۔ ایسے وقت میں ہر آدمی اسی ایک چیز کا طالب بن جاتا ہے جو سب سے زیادہ قابلِ طلب ہے اور ہر آدمی اسی ایک چیز سے ڈرنے لگتا ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے کے قابل ہے۔ ہر آدمی کی توجہ اسی ایک چیز پر لگ جاتی ہے جس پر دوسرے آدمی کی توجہ لگی ہوئی ہے۔

اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ دین کے معاملہ میں آج اتنا زیادہ اختلاف کیوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین آج لوگوں کے لئے بس ایک لکھنے اور بولنے کی چیز ہے، وہ ان کے لئے خوف اور محبت کی بنیاد نہیں بنا ہے۔ اگر وہ حقیقی معنوں میں خوف و محبت کی بنیاد بن جائے تو اچانک سارا اختلاف ختم ہو جائے گا۔ لوگ جنت اور جہنم کا نام لیتے ہیں مگر جنت لوگوں کی ضرورت نہیں بنی اور جہنم لوگوں کا مسئلہ نہیں بنی۔ یہی اختلاف کا سب سے بڑا سبب ہے۔ گویا میز کی سطح پر ایک دینی مباحثہ جاری ہے اور ہر آدمی اس کے گرد بیٹھا ہوا اپنی قابلیت کے جوہر دکھا رہا ہے۔ اگر فی الواقع ایسا ہو کہ جنت لوگوں کی طلب شدید بن جائے اور جہنم سے لوگوں پر خوفِ شدید طاری ہو جائے تو دفعتہً سب کی رائیں سمٹ کر ایک نقطہ پر جمع ہو جائیں گی۔ سب ایک ہی "انعام" کے طالب بن جائیں گے اور سب ایک ہی "خطرہ" کو سب سے بڑا مسئلہ سمجھنے لگیں گے۔ یہ شدتِ طلب اور یہ شدتِ خوف رایوں کے تعدد کو ختم کر دے گا۔ لوگ سارے اختلافات کو بھول کر اپنی توجہ ایک ہی چیز پر مرکز کر دیں گے۔ سارے مسلمان مل کر اتحاد کی چٹان بن جائیں گے۔ وہ دین جو "سو دینوں" میں تقسیم ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے وہ صرف ایک دین کی صورت میں دکھائی دینے لگے گا۔ تمام نیکیوں کی بنیاد یہ ہے کہ آدمی سنجیدہ (core) ہو۔ اور شدتِ طلب اور شدتِ خوف کے سوا کوئی چیز نہیں جو آدمی کو حقیقی معنوں میں سنجیدہ بنا سکے۔

نصیحت پکڑنے والے کے لئے ایک آیت کافی ہے

صعصعہ بن معاویہ مشہور شاعر فرزدق کے چچا تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے ان کو سورہ زلزال سنائی۔ یہاں تک کہ آپ اس آیت پر پہنچے: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (جس نے ایک ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا جس نے ایک ذرہ برابر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا) حضرت صعصعہ نے اس کو سن کر کہا: حسبی ان لا اسمع غیرها (اس کے بعد میں کچھ اور نہ سنوں تب بھی یہ میرے لئے کافی ہے) رواہ الامام احمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ نئے اسلام لانے والوں کو کسی صحابی کے سپرد کر دیتے تاکہ وہ ان کو دین کی باتیں سکھا دیں۔ اسی طرح ایک صحابی کو آپ نے حضرت علی رض کے سپرد کیا تھا۔ وہ چند دن آئے اور اس کے بعد ان کا آنا بند ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کئی دن تک ان کو مسجد میں نماز میں نہ دیکھا تو آپ نے حضرت علی رض سے ان کے بارے میں دریافت کیا جن کے سپرد ان کی تعلیم ہوئی تھی۔ انھوں نے کہا کہ کئی دن سے وہ میرے پاس بھی نہیں آئے ہیں۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ ان کا پتہ کرکے بتائیں۔ آخر ایک روز ایک شخص کی ان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ لکڑی کا گٹھا سر پر رکھ کر اس کو بیچنے کے لئے بازار جا رہے تھے۔ انھوں نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے بارے میں پوچھ رہے تھے، چل کر ملاقات کرلو۔ وہ تیزی سے بازار گئے اور لکڑی کا گٹھا کسی کے ہاتھ بیچ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کہا کہ تم کئی روز سے ادھر نہیں آئے۔ انھوں نے کہا: میں اس لئے نہیں آیا کہ میں نے سمجھا کہ میری تعلیم پوری ہوگئی۔ آپ نے فرمایا: ابھی تو چند ہی دن گزرے تھے، پھر تمھاری تعلیم پوری کیسے ہوگئی۔ انھوں نے کہا: میرے سامنے قرآن کی یہ آیت آئی: فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرة شرا یرہ (جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا) اس آیت کو جاننے کے بعد اب میرا یہ حال ہوگیا ہے کہ جب بھی کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو یہ خیال آجاتا ہے کہ قیامت میں اس کا انجام کس صورت سے سامنے آئے گا۔ اگر دل کہتا ہے کہ وہ اچھا کام ہے اور اس کا انجام اچھی صورت میں سامنے آئے گا تو اس کو کرتا ہوں اور اگر اس اعتبار سے کھٹک پیدا ہوتی ہے تو رک جاتا ہوں پھر وہ کام مجھ سے نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: پھر تو تمھارے لئے یہی کافی ہے۔

تابعی اس کو کہتے ہیں جس نے صحابہ کو دیکھا ہو۔ ایک تابعی نے ایک بار اپنے شاگردوں کے سامنے صحابہ کی خصوصیات بتائیں۔ انھوں نے کہا کہ صحابہ اتنا زیادہ نماز روزہ نہیں کرتے تھے جتنا تم لوگ کرتے ہو۔ ان کی فضیلت یہ تھی کہ ایک چیز ان کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی (ولکنہ شیئ وقر فی قلوبہم) یہ چیز جو صحابہ کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی وہ اللہ کا خوف تھا۔ اللہ کا خوف اگر آدمی کے اندر پیدا ہوجائے تو گویا ہر چیز اس کے اندر پیدا ہوگئی اور اگر وہ پیدا نہ ہو تو کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی۔ اللہ سے ڈرنے والا آدمی ہر معاملہ کو خدا کا معاملہ سمجھتا ہے اس لئے وہ ہر معاملہ میں تواضع اور انصاف کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ اور جب آدمی معاملات کو انسان کا معاملہ سمجھے تو کوئی چیز اس کو ظلم اور گھمنڈ سے روکنے والی ثابت نہیں ہو سکتی۔

ہار میں جیت

لاوزے قدیم چین کا ایک مشہور فلسفی ہے۔ اس کا زمانہ چھٹی صدی قبل مسیح ہے۔ اس کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے "سچائی کا راستہ"۔ اس کتاب میں اس نے زندگی کے بڑے گہرے راز بتائے ہیں۔ لاوزے کا ایک قول یہ ہے:

جس کو ہارنا آجائے اس کو کوئی ہرا نہیں سکتا

بظاہر یہ بات عجیب سی لگتی ہے کیونکہ عام لوگ تو جیت اس کو سمجھتے ہیں کہ آدمی کبھی اپنی ہار نہ مانے۔ یہاں تک کہ مقابلہ میں اگر وہ ہار جائے تب بھی یہی کہتا رہے کہ لوگوں نے دھاندلی کردی۔ ورنہ جیت لازماً میری ہوئی ہوتی۔ مگر لاوزے نے جو بات کہی ہے وہ زندگی کا بڑا گہرا راز ہے اور کامیابی کا سب سے زیادہ یقینی راستہ ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص ہار کو مان لینے کا حوصلہ پیدا کرے وہ اپنی جیت کو یقینی بنا لیتا ہے۔ ایک شخص جب ہارتا ہے تو وہ دراصل اپنی کمزوری کی قیمت ادا کرتا ہے، خواہ وہ کمزوری طاقت کے اعتبار سے ہو یا تدبیر کے اعتبار سے۔ ایک ظالم اگر اپنے ظالمانہ منصوبہ میں کامیاب ہوتا ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی پہلو سے اپنے حریف کے مقابلہ میں زیادہ بہتر پوزیشن میں تھا۔ جب ایسا ہے تو بہترین عقلمندی یہ ہے کہ آدمی اپنی ہار کو تسلیم کرلے اور اس کے بعد اپنی تمام توجہ اپنی کمی کی تلافی میں لگا دے۔ ہار مان کر وہ زیادہ بہتر طور پر اس مقصد کو حاصل کرسکتا ہے جو ہار کا انکار کرکے وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ایک شخص نے زمین خریدی اور اپنا نیا مکان بنانا شروع کیا۔ جب نیو کی کھدائی شروع ہوئی تو پڑوس کے آدمی نے ایک دیوار پر جھگڑا شروع کردیا۔ اس کا کہنا تھا کہ تمھاری نیو ایک فٹ آگے ہے۔ اس کو ایک فٹ پیچھے کرو، ورنہ ہم نہ نیو کھودنے دیں گے اور نہ گھر بنانے دیں گے۔ گھر والے نے سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ نہ مانا اور تیز ہوتا چلا گیا۔ آدمی نے دیکھا کہ اس کا پڑوسی لڑائی پر تلا ہوا ہے۔ وہ کسی حال میں جھکنے پر راضی نہیں ہے۔ اب اس نے سوچا کہ اگر میں اصرار کرتا ہوں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لاٹھی ڈنڈے تک نوبت آئے گی۔ سر پھوٹیں گے۔ مقدمہ بازی ہوگی۔ بے کار مدوں میں روپیہ خرچ ہوگا۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس لڑائی جھگڑے میں گھر بننے کا کام بھی نامعلوم مدت تک رک جائے اور اسی کے ساتھ میرا جو کاروبار ہے وہ بھی خراب ہو۔ اس نے ٹھنڈے دل سے سوچنے کے بعد لاوزے کا طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ہار مان لی۔ اس نے اپنے مزدوروں کو حکم دیا کہ ایک فٹ پیچھے ہٹ کر نیو کھودو۔ اس نے ایک فٹ چھوڑ کر بقیہ زمین پر اپنا گھر بنایا اور اس کے بعد اپنے کاروبار میں لگ گیا۔

یہ طریق کار اس کے لئے بہت کار آمد ثابت ہوا۔ کچھ دنوں بعد اس نے اتنا کما لیا کہ اپنے مکان کے اوپر ایک اور منزل بنائی۔ دو منزلہ ہو کر اس کا مکان کافی کشادہ ہوگیا۔ اس کے اس تعمیری طریقہ کا اثر اس کے بچوں پر پڑا۔ ان میں لڑائی جھگڑے کا ذہن ختم ہوگیا۔ سب تعمیری انداز میں سوچنے لگے۔ سب بچے خاموشی کے ساتھ کام کرنے کے راستہ پر لگ گئے۔ کچھ دنوں بعد باپ بیٹوں نے مل کر اتنا کافی پیسہ کما لیا کہ انھوں نے اپنے مکان سے ملا ہوا ایک پرانا بڑا مکان خرید لیا۔ اس کو گرا کر دوبارہ تعمیرات کرائیں اور کافی بڑا مکان اپنے لئے بنا لیا ——— آدمی نے ایک فٹ زمین ہاری تھی، اس کو ہزاروں فٹ زمین اس کے بدلہ میں حاصل ہوگئی۔

نہ ہونا بھی ہونا ہے

سوامی رام ترتھ (۱۹۰۶ — ۱۸۷۳) ہندستان کے ایک بڑے مفکر گزرے ہیں۔ وہ اردو، فارسی، انگریزی ہندی، سنسکرت، پنجابی زبانوں کے علاوہ جرمن اور فرانسیسی زبانیں بھی جانتے تھے۔ انھوں نے ریاضیات میں ایم اے کیا تھا۔ ان کا ایک قول یہ ہے:

صفر ہر ہندسہ کی قیمت دس گنا بڑھا دیتا ہے، اگر اس کو ہندسہ کے دائیں طرف رکھ دیا جائے

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی کے پاس کچھ نہیں ہوتا تب بھی اس کے پاس بہت کچھ ہوتا ہے، شرط صرف یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو جانے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرے۔ سوامی رام ترتھ انیسویں صدی کے آخر میں امریکہ گئے۔ اس وقت وہاں ان کا کوئی دوست یا جاننے والا نہ تھا۔ سوامی رام جب امریکہ کے ساحل پر خالی ہاتھ اترے تو ان کی بے سروسامانی کو دیکھ کر ایک امریکی نے پوچھا: کیا یہاں آپ کا کوئی دوست ہے۔ سوامی رام نے کہا "ہاں، ایک دوست ہے" یہ کہہ کر انھوں نے اپنے دونوں بازو سوال کرنے والے امریکی کے گلے میں ڈال دئے اور کہا "وہ دوست یہ ہے"۔ سوامی رام اگرچہ اس امریکی کے لئے اجنبی تھے مگر ان کے اس سلوک سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ وہ سچ مچ سوامی رام کا دوست بن گیا۔ امریکہ میں وہ تنہا داخل ہوئے تھے۔ مگر ڈیڑھ سال کے قیام میں اپنے اس سلوک کی وجہ سے انھوں نے وہاں اپنے بہت سے دوست اور ساتھی پیدا کرلئے۔ اپنے "صفر" کو انھوں نے اپنے " دائیں طرف" رکھ دیا تو وہ ان کے لئے بہت بڑی گنتی بن گیا۔

ایک نوجوان بے روزگاری سے پریشان تھا۔ اس کے پاس نہ روپیہ تھا کہ کوئی کاروبار کرے اور نہ کسی بڑے آدمی کی سفارش جو اس کو ملازمت دلا سکے۔ وہ ہر لحاظ سے اپنے کو " صفر" کے مقام پر پاتا تھا۔ ایک روز کسی پرچہ میں اس نے ایک قصہ پڑھا جس سے اس کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ دنیا میں کام کی کمی نہیں بلکہ کام کرنے والے کی کمی ہے۔ ہر بڑے کاروبار کو بہت سے کام کرنے والے آدمی چاہئیں مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کو اپنے مطلب کے آدمی نہیں ملتے۔ کوئی شخص محنتی ہے تو ایمان دار نہیں۔ اور ایمان دار ہے تو محنتی نہیں۔ "اگر میں یہ ثابت کردوں کہ میں محنتی بھی ہوں اور ایماندار بھی" اس نے سوچا "تو میں اپنے لئے جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا"

اب آدمی نے یہ کیا کہ وہ بازار میں گیا۔ ایک دکان دیکھی کہ بڑی ہے اور اس میں کافی کام ہو رہا ہے۔ وہ اس کے اندر داخل ہو گیا اور مالک سے کہا کہ میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھ کو اپنے یہاں رکھ لیں۔ اس نے کہا کہ میں ایک مہینہ تک آپ سے کوئی تنخواہ نہیں لوں گا۔ بلکہ مفت کام کروں گا۔ ایک مہینہ میرا کام دیکھنے کے بعد اگر میں آپ کو پسند آؤں تو آپ مجھ کو رکھ لیں۔ ورنہ رخصت کردیں۔ اس طرح وہ کئی دکان داروں سے ملا۔ بالآخر ایک بڑے دکان دار نے اس کو رکھ لیا۔ آدمی نے اپنا کام اتنی محنت اور دیانت داری سے کیا کہ اس کا مالک خوش ہو گیا اور صرف دو ہفتہ دیکھنے کے بعد اس کی تنخواہ مقرر کردی اور مہینہ ختم ہونے پر پورے مہینہ کی تنخواہ دی۔ چند ماہ بعد اس نے اس کی تنخواہ میں کافی اضافہ کر دیا۔ چند سال اور گزرے تو وہ اس کی لیاقت اور کارکردگی سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے کاروبار میں اس کو شریک کرلیا ——— نوجوان کے پاس "صفر" کے سوا کچھ نہ تھا۔ مگر جب اس نے اپنے صفر کو صحیح طور پر استعمال کیا تو اس کا صفر اس کے لئے دولت کا خزانہ بن گیا۔

جلدی میں دیر

ونسٹن چرچل (۱۹۶۵-۱۸۷۴) مشہور انگریز مدبر تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے وقت وہ برطانیہ کے وزیر اعظم تھے، جب کہ برطانیہ کی سلطنت آج سے بہت زیادہ بڑی تھی۔ انھوں نے اپنے ملک کی زبردست خدمات انجام دی ہیں۔ چرچل کا ایک قول یہ ہے:

تم جتنی جلدی کرو گے اتنی ہی زیادہ دیر لگے گی

یہ زندگی کی بڑی گہری حقیقت ہے۔ آپ ایک مکان کی تیسری منزل پر ہیں اور آپ کو کسی ضرورت کے تحت فوراً نیچے آنا ہے۔ تاہم آپ کو کتنی ہی جلدی ہو، آپ کو بہرحال سیڑھیوں کے ذریعہ اترنا ہوگا۔ اگر جلدی کی خاطر آپ ایسا کریں کہ تیسری منزل سے زمین کی طرف کود پڑیں تو یقیناً آپ بہت جلد نیچے پہنچ جائیں گے۔ مگر یہ جلدی عملاً بہت زیادہ دیر بن جائے گی۔ کیوں کہ آپ کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے گا اور آپ نیچے اتر کر اپنی منزل کی طرف جانے کے بجائے ہسپتال لے جائے جائیں گے اور وہاں مہینوں تک علاج کے بستر پر پڑے رہیں گے۔

ایک شخص اپنے گھر کے آنگن میں آم کا درخت دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر میں آم کا چھوٹا پودا لگاؤں تو اس کو بڑھنے میں کم از کم دس سال لگ جائیں گے۔ اس کے باغ میں آم کا ایک پانچ سال کا درخت تھا۔ اس نے منصوبہ بنایا کہ اس درخت کو کھود کر نکالے اور اس کو لاکر گھر کے آنگن میں لگائے۔ وہ خوش تھا کہ اس طرح پانچ سال کا سفر ایک دن میں طے ہو جائے گا اور چند ہی سال کے بعد گھر کے اندر آم کا ایک پورا درخت کھڑا ہوا نظر آئے گا۔ اس نے پانچ سالہ درخت کی کھدائی کے لئے مزدور لگا دئے۔ کئی آدمیوں نے گھنٹوں کی محنت کے بعد اس کو کھودا اور پھر ایک بڑی چارپائی پر رکھ کر اس کو گھر کے اندر لے آئے۔ درخت آنگن میں لگا دیا گیا۔ مگر اگلے ہی دن اس کے پتے مرجھا گئے۔ اور چند ہفتوں کے بعد آدمی کے آنگن میں شاداب درخت کی جگہ صرف سوکھی لکڑی کا ایک ٹھنٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ایک آدمی پیسہ کمانا چاہتا تھا۔ اس نے کراکری کی دکان کھولی۔ سال بھر اس میں بیٹھا۔ جب اس نے دیکھا کہ دکان زیادہ نہیں چل رہی ہے تو اس نے طے کیا کہ کسی اور چیز کی دکان کھولے۔ اب اس نے بساطہ کا کام شروع کیا۔ ایک سال کے بعد اس کو محسوس ہوا کہ اس میں بھی زیادہ فائدہ نہیں ہے۔ اب اس نے اسٹیشنری کا کام شروع کر دیا۔ ایک سال میں اس سے بھی جی بھر گیا اور اس نے جوتہ کی دکان کر لی۔ اس طرح وہ بار بار اپنی لائن بدلتا رہا اور بالآخر مایوس اور ناکام ہو کر بیٹھ گیا۔ اس آدمی کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس راز کو نہ سمجھ سکا کہ کسی کام میں کامیابی کے لئے وقت درکار ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ادھر دکان کھولی اور ادھر وہ شان دار طریقے سے چلنے لگی۔ آدمی نے کئی کاموں میں جتنا وقت لگایا وہی وقت اگر وہ ایک کام میں لگاتا تو یقیناً وہ کامیاب ہو جاتا۔ اس نے "جلدی" چاہی اس لئے اس کو دیر ہوتی چلی گئی۔ اگر وہ جلدی نہ کرتا تو اس سے کم وقت میں وہ کامیاب ہو جاتا جتنا وقت اس نے بار بار کے ناکام تجربوں میں ضائع کر دیا۔

نوٹ: یہ مضامین ۲۶ - ۲۰ دسمبر ۱۹۷۹ کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کئے گئے

توکل کیا ہے

دنیا دارالامتحان ہے اس لئے یہاں جد و جہد کرنا ہے۔ مگر مومن اللہ کے لئے جیتا ہے اس لئے اس کا بھروسہ اللہ پر رہتا ہے۔ جد و جہد مومن کے حالت امتحان میں ہونے کا تقاضا ہے اور توکل اس کی ایمانی نفسیات کا۔

ایمان اور توکل دونوں تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: علی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین (اللہ پر توکل کرو اگر تم مومن ہو) اس دنیا میں آدمی کو جس امتحان میں پورا اترنا ہے وہ یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرنے والا ثابت ہو۔ وہ سب کچھ اللہ کی طرف سے سمجھے اور کسی بھی حال میں اللہ کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرے۔ مگر یہ امتحان اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ آدمی کو مخالفانہ حالات میں رکھا جائے۔ غیر متوکلانہ حالات ہی میں توکل کا امتحان ہو سکتا ہے۔ توکل یہ ہے کہ آدمی اسباب کے ذریعہ نتیجہ نکلتا ہوا دیکھے، اس کے باوجود اس کو اللہ کی طرف منسوب کرے۔ اسباب کا سرا چھوٹنے سے ناکامی سامنے آئے پھر بھی وہ یہی سمجھے کہ خدا کا حکم شامل حال نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ اسباب و عمل کے درمیان اپنے کو گھرا ہوا پا کر وہ اپنی تمام کوششوں کو بروئے کار لائے۔ مگر اس کا دل اس وقت بھی سارے معاملہ کو بس اللہ کا معاملہ سمجھ رہا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو امتحان کس بات کا ہوگا اور کیوں کر یہ معلوم ہوگا کہ آدمی حقیقی معنوں میں اللہ پر بھروسہ کرنے والا تھا یا ظاہری اسباب میں گم ہو جانے والا۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی کو توکل کے خلاف حالات میں توکل کا ثبوت دینا ہے۔ اسباب و عمل کے درمیان رہتے ہوئے یہ یقین کرنا ہے کہ صرف ایک اللہ موثر حقیقی ہے۔ آسانیوں اور مشکلوں سے گزرتے ہوئے خود آسانیوں اور مشکلوں میں نہیں الجھنا ہے بلکہ ہر حال میں صرف اللہ کی طرف اپنی نظریں جمائے رکھنا ہے۔

امتحان لازماً یہ چاہتا ہے کہ آدمی کے سامنے دو مختلف راہیں ہوں اور اس کے لئے موقع ہو کہ وہ اپنی آزادانہ رائے کے تحت دونوں میں سے کسی ایک کو چن سکے۔ اسی مصلحت کی بنا پر موجودہ دنیا کے اوپر اسباب و عمل کا پردہ ڈال دیا گیا ہے اور آدمی کے لئے ایسے حالات پیدا کئے گئے ہیں کہ جو نتیجہ سامنے آئے وہ عمل اور جد و جہد کے ذریعہ سامنے آئے۔ آدمی ایک چھوٹا سا معمولی بیج مٹی کے اندر ڈالتا ہے اور اس کے بعد حیرت انگیز طور وہ دیکھتا ہے کہ اس کے اندر سے ایک ایسا ہرا بھرا درخت نکلا چلا آ رہا ہے جس میں لکڑی ہے، پتیاں ہیں، پھول ہے، پھل ہے، مزہ ہے، خوشبو ہے اور بے شمار دوسری چیزیں ہیں، یہ واقعہ سراپا ایک قدرتی معجزہ ہے۔ معجزہ کے سوا کوئی چیز ایسے حیرت ناک وجود کو پیدا نہیں کر سکتی جس کا نام درخت ہے۔ مگر اس معجزاتی واقعہ کو اسباب کے پردہ میں ظاہر کیا جاتا ہے تاکہ آدمی کے لئے یہ بھی ممکن ہو کہ وہ سمجھے کہ ظاہری اسباب نے اس کو وجود دیا ہے۔ آدمی تعلیم حاصل کر کے ایک ڈگری لیتا ہے اور اس کے بعد ایک اچھی ملازمت کے ذریعہ شاندار تنخواہ وصول کرتا ہے۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ سراسر ایک خدائی کرشمہ ہے۔ آدمی کے اندر یہ انوکھی صفت ہونا کہ وہ سوچے، وہ لکھ اور بول سکے۔ وہ کتاب کی لکیروں کو معانی کی صورت میں پڑھے، وہ خیالات کو منظم کرے۔ وہ باتوں کو یاد رکھے اور ان کو دہرائے۔ وہ عزم و ارادہ کے تحت اپنی قوتوں کو استعمال کرے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری بے شمار چیزیں جن کی مساعدت سے ایک شخص تعلیم یافتہ بنتا ہے اتنا حیران کن حد تک بعید الوقوع ہے کہ معجزۂ خداوندی کے سوا کسی اور لفظ سے اس کو تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ مگر یہ سب کچھ بظاہر ایسے حالات کے تحت

انجام پاتا ہے کہ آدمی اگر چاہے تو بآسانی اس سارے واقعہ کو کچھ خاص اسباب کی طرف منسوب کر دے۔ اس طرح آدمی کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا گیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کو وہ بیک وقت دو رخ سے دیکھ سکے۔ ایک رخ سے دیکھنے میں وہ اس کو خدا کا کرشمہ نظر آئے اور دوسرے رخ سے دیکھنے میں ایسا معلوم ہو گویا سب کچھ خود انسان کے فراہم کئے ہوئے معلوم و متعین اسباب کے تحت وقوع میں آیا ہے۔

امتحان کی غرض سے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے نتائج کو اسباب کے ساتھ اس طرح وابستہ کر دیا ہے کہ اسباب کی فراہمی کے بغیر نتائج وقوع میں نہ آئیں۔ لیکن گہرائی کے ساتھ دیکھئے تو سبب اور نتیجہ میں اتنی کم نسبت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "سبب" کی حیثیت ایک "بہانہ" سے زیادہ نہیں۔ درخت بظاہر آدمی کے عمل کے نتیجہ میں ظہور میں آتا ہے۔ مگر اس کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو درخت ایک ایسی چیز ہے جس کو وجود میں آنے کے لئے اتنے زیادہ عوامل درکار ہیں کہ اس کے لئے ایک پوری کائنات کی ضرورت ہے۔ اس پورے واقعہ میں انسان کے عمل کا حصہ اتنا کم ہے کہ اس کو "نہیں" کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح ایک آدمی کا ایک علم کا ماہر بننا بظاہر اگرچہ انسان کی کوششوں سے ظہور میں آتا ہے۔ مگر ایک شخص کا صاحب علم بننا اتنا انوکھا واقعہ ہے جس کو ظہور میں لانے کے لئے خدائی طاقتوں کی ضرورت ہے۔ یہ واقعہ اپنے تمام پہلوؤں کے اعتبار سے تمام تر اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے وقوع میں آتا ہے۔ اس پورے واقعہ میں بھی انسان کی اپنی کوششوں کا حصہ اتنا حقیر ہے کہ وہ بالکل ناقابل شمار ہے۔ امتحان کے مقصد سے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا ہے کہ اسباب کی فراہمی کے بغیر کوئی واقعہ ظہور میں نہ آئے۔ مگر کائنات کے اندر کسی واقعہ کا ظہور میں آنا ایک ایسا معجزہ ہے جس کو خدا کے سوا کوئی ظہور میں لانے پر قادر نہیں ——— کفر یہ ہے کہ آدمی اسباب و علل کے ظاہری پردوں میں اٹک کر رہ جائے، وہ انہیں اسباب کو سب کچھ سمجھنے لگے۔ اس کے برعکس ایمان یہ ہے کہ آدمی ظاہری پردوں سے گزر کر اس کے پیچھے کام کرنے والی حقیقتِ عظمیٰ کو دیکھ لے اور اس کا اقرار کرتے ہوئے اس کے آگے سجدہ میں گر پڑے۔

توکل کا دوسرا پہلو معاملات میں اللہ پر اعتماد ہے۔ یعنی جب کوئی بات اپنے خلاف پیش آئے تو آدمی سارے معاملہ کو اللہ کے اوپر ڈال کر صبر کرے۔ اللہ کے راستہ پر چلنا اور اللہ کے دین کا داعی بننا سراسر آزمائش کا معاملہ ہے۔ آدمی ایک ایسی دنیا میں رہتا ہے جہاں طرح طرح کے لوگ ہیں، ان کی طرف سے طرح طرح کے مسائل سامنے آتے رہتے ہیں۔ کبھی کسی کی نازیبا حرکت پر نفرت اور شکایت کا جذبہ ابھرتا ہے۔ کبھی کسی کی ترقی اور کامیابی کو دیکھ کر حسد کی نفسیات پیدا ہوتی ہے۔ کبھی کسی کی تنقید کو سن کر کبر اور انانیت کا شیطان جاگ اٹھتا ہے۔ کبھی کسی کے ہاتھوں مادی نقصان پہنچ جاتا ہے اور آدمی چاہنے لگتا ہے کہ اس کا انتقام لے۔ کبھی لوگ ایک سچی بات کا انکار کر کے آدمی کے اندر مایوسی اور دل شکستگی کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ غرض بار بار مختلف قسم کی ناخوشگوار صورت سامنے آتی ہے اور آدمی کے اندر ردعمل کی نفسیات ابھرتی ہے۔ آدمی چاہنے لگتا ہے کہ وہ پیش آمدہ مسئلہ سے الجھ جائے اور اس کے خلاف جو کچھ کر سکتا ہے کر ڈالے۔ مگر توکل یہ ہے کہ ایسے ہر موقع پر آدمی صرف اپنی ذمہ داری کو یاد رکھے اور باقی تمام معاملات کو اللہ کے اوپر ڈال دے۔ وہ اللہ سے بہتر بدلہ کی امید کرتے ہوئے خاموش ہو جائے۔ وہ اپنا رخ انسان کے بجائے اللہ کی طرف کر دے۔

مدعو میں برتری کی نفسیات پیدا کرنا

مسز اندرا گاندھی کو ہندستان کے الکشن ۱۹۷۷ میں مکمل شکست ہوئی تھی، اس کے بعد جنتا حکومت نے پوری کوشش کی کہ ان کو سیاسی منظر سے ہٹادے۔ مگر جنوری ۱۹۸۰ کے الکشن میں دوبارہ اندرا گاندھی کو اتنی بڑی کامیابی حاصل ہوئی کہ ہندستانی پارلیمنٹ کی دو تہائی نشستوں پر ان کی پارٹی قابض ہوگئی۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ہندستان ٹائمس (۸ جنوری) لکھتا ہے: ملک اپنی جمہوریت پر فخر کرسکتا ہے جس نے اندرا کے لئے اس حیران کن واپسی کو ممکن بنایا۔ ہندستان کا سیاسی ڈھانچہ انتخابی طریقہ کے ذریعہ پرامن سیاسی تبدیلی کے نظام کے ساتھ، ان بہت سے زیر ترقی ممالک سے ممتاز طور پر نمایاں ہے جہاں اختلاف رائے کو سختی سے دبا دیا گیا ہے، انفرادی آزادی کا خاتمہ کر دیا گیا ہے اور سیاسی تبدیلی صرف تشدد ہی کے ذریعہ وجود میں آسکتی ہے:

> The country can be proud of its democracy which has enabled her to make her stunning comeback. India's political system with its mechanism of smooth political change through the ballot, stands out in striking contrast to those of most developing countries where dissent is stiffled, individual liberties smothered and change ushered in only amid violence.

اس عبارت میں واضح طور پر ایران اور پاکستان جیسے ملکوں کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اقتباس موجودہ زمانہ کے ایک بہت بڑے المیہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں اسلام کے نام پر جو تحریکیں اٹھیں انھوں نے اسلام کی کوئی واقعی خدمت تو نہ کی۔ البتہ اسلام کو ایک بہت بڑا نقصان پہنچایا۔ انھوں نے اپنے "بوائق" کو اسلام کا عنوان دے کر دوسری قوموں کے سامنے اسلام کی تصویر بگاڑ کردی۔ اور اس طرح مدعو اقوام میں غیر ضروری طور پر اسلام کے مقابلہ میں احساس برتری کا جذبہ پیدا کردیا۔

یہ تحریکیں اگر اسلام کے سوا کسی اور نام پر اٹھتیں تو ان کی نادانیوں کا الزام ان کے اپنے سر جاتا۔ مگر اسلام کے نام پر اٹھنے کی وجہ سے ان کی ہر چیز اسلام کی طرف منسوب ہوگئی۔ وہ قومیں جو اسلام کے لئے مدعو کا درجہ رکھتی تھیں وہ اپنے کو افضل پاکر اس نفسیات میں مبتلا ہوگئیں کہ ان کے پاس وہ چیز زیادہ بہتر طور پر موجود ہے جس کی اسلام دعوت دیتا ہے۔ "اسلامی نظام" اور "نظام مصطفیٰ" میں انسان کی آزادی کو کچلا جاتا ہے جب کہ ہمارے اپنے نظام میں انسان کو آزادی رائے کا حق حاصل ہے۔ ان کے یہاں حرث ونسل کی ہلاکت کی قیمت پر حکومتیں بدلتی ہیں، ہمارے یہاں پرامن انتخابات سے۔ ان کے یہاں سیاسی اختلاف پر کوڑے لگتے ہیں اور ہتھکڑیاں پہنائی جاتی ہیں، ہمارے یہاں سیاسی اختلاف پر کوئی پابندی نہیں۔ ان کے یہاں کسی مجرم کو سزا دینے کے لئے نہ گواہی شہادت کی ضرورت ہے اور نہ قانون کے تقاضے پورے کرنے کی۔ جس کو چاہا پکڑا اور سرسری سماعت کے بعد گولی ماردی یا جیل میں بند کردیا۔ ہمارے یہاں کسی کو اس وقت تک سزا نہیں دی جاسکتی جب تک اس پر باقاعدہ مقدمہ چلا کر قانونی طور پر اس کو مجرم ثابت نہ کردیا جائے۔ ان کے یہاں اختلاف کو آپس کی مارکاٹ کے ذریعہ طے کیا جاتا ہے، ہمارے یہاں آپس کا اختلاف پرامن ذرائع سے طے ہو جاتا ہے ــــــــ مسلمان اپنی نالائقی کی بنا پر موجودہ دنیا میں دوسرے درجہ کی قوم بن چکے تھے، اب انھوں نے اسلام کی غلط نمائندگی کرکے اسلام کو بھی قوموں کی نظر میں دوسرے درجہ کا مذہب بنادیا ہے۔

سائنس توحید کی طرف

علم طبیعیات میں، نیوٹن کے بعد سے یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ چار قسم کے قوانین یا طاقتیں ہیں جو فطرت کے مختلف مظاہر کو کنٹرول کرتی ہیں۔ ۱۔ قوت کشش (Gravitational Force) ۲۔ برقی مقناطیسی قوت (Electromagnetic Force) ۳۔ طاقت ور نیوکلیر قوت (Strong Nuclear Force) ۴۔ کمزور نیوکلیر قوت (Weak Nuclear Force)

کشش کا قانون، ایک کہانی کے مطابق، نیوٹن نے اس وقت معلوم کیا جب کہ اس نے سیب کے درخت سے سیب کو گرتے ہوئے دیکھا۔ "سیب اوپر کی طرف کیوں نہیں گیا، نیچے زمین پر کیوں آیا" اس سوال نے اس کو اس جواب تک پہنچایا کہ زمین میں، اور اسی طرح تمام دوسرے کروں میں، جذب و کشش کی قوت کار فرما ہے۔ بعد کو آئن سٹائن نے اس نظریہ میں بعض فنی اصلاحات کیں۔ تاہم اصل نظریہ اب بھی سائنس میں ایک مسلّمہ اصول فطرت کے طور پر مانا جاتا ہے۔ برقی مقناطیسی قانون کا تجربہ پہلی بار فریڈے نے ۱۸۲۱ میں کیا۔ اس نے دکھایا کہ بجلی کی قوت اور مقناطیس کی قوت ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ مقناطیس اور حرکت کو یکجا کیا جائے تو بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور مقناطیس اور بجلی کی لہر کو یکجا کریں تو حرکت وجود میں آجاتی ہے (۶ جنوری ۱۹۸۰)

ابتدائی ۵۰ سال تک تمام طبیعی واقعات کی توجیہہ کے لئے مذکورہ دو قوانین کافی سمجھے جاتے تھے۔ مگر موجودہ صدی کے آغاز میں جب ایٹم کے اندرونی ڈھانچہ کی بابت معلومات میں اضافہ ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ ایٹم سے بھی چھوٹے ذرات ہیں جو ایٹم کے اندر کام کر رہے ہیں تو طبیعی نظریات میں تبدیلی شروع ہو گئی۔ یہیں سے طاقت ور نیوکلیر فورس اور کمزور نیوکلیر فورس کے نظریات پیدا ہوئے۔ ایٹم کا اندرونی مرکز (نیوکلیس) الکٹران سے گھرا ہوا ہے جو کہ پروٹان نامی ذرات سے بہت زیادہ چھوٹے اور ہلکے ہیں۔ مگر مطالعہ بتاتا ہے کہ ہر الکٹران وہی چارج رکھتا ہے جو بھاری پروٹان رکھتے ہیں۔ البتہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ الکٹران میں منفی برقی چارج ہوتا ہے اور پروٹان میں مثبت برقی چارج۔ الکٹران ایٹم کے بیرونی سمت میں اس طرح گردش کرتے ہیں کہ ان کے اور ایٹم کے مرکز (نیوکلیس) کے درمیان بہت زیادہ خلا ہوتا ہے۔ مگر منفی چارج اور مثبت چارج دونوں میں برابر برابر ہوتے ہیں، اور اس بنا پر ایٹم بحیثیت مجموعی برقی اعتبار سے نیوٹرل اور قائم (Stable) رہتا ہے۔

اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ ایٹم کا مرکز بطور خود قائم (Stable) کیوں کر رہتا ہے۔ الکٹران اور پروٹان الگ الگ ہو کر بکھر کیوں نہیں جاتے۔ قائم رہنے (Stability) کی توجیہہ طبیعیاتی طور پر یہ کی گئی ہے کہ پروٹان اور نیوٹران کے قریب ایک نئی قسم کی طاقتور قوت کشش موجود ہوتی ہے۔ یہ قوت ایک قسم کے ذرات سے نکلتی ہے جن کو میسن (Masons) کہا جاتا ہے۔ ایٹم کے اندر پروٹان اور نیوٹران کے ذرات بنیادی طور پر یکساں (Identical) سمجھے جاتے ہیں۔ مقناطیس کے دو ٹکڑوں کو لیں اور دونوں کے یکساں رخ (ساؤتھ پول کو ساؤتھ پول سے یا نارتھ پول کو نارتھ پول سے) ملائیں تو وہ ایک دوسرے کو دور پھینکیں گے۔ اس معروف طبیعی اصول کے مطابق پروٹان اور نیوٹران کو ایک دوسرے سے بھاگنا چاہئے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ پروٹان اور نیوٹران ہر لمحہ بدلتے رہتے ہیں اور اس بدلنے کے دوران میسن کی صورت میں قوت خارج کرتے ہیں جو ان کو جوڑتی ہے۔ اسی کا نام طاقت ور نیوکلیر فورس ہے۔ اسی طرح سائنس دانوں نے دیکھا کہ بعض ایٹم کے کچھ ذرات (نیوٹران، میسن) اچانک ٹوٹ جاتے

ہیں۔ یہ صورت حال مثلاً ریڈیم میں پیش آتی ہے۔ ایٹم کے ذرات کا اس طرح اچانک ٹوٹنا طبیعیات کے مسلمہ اصول تعلیل (Casuality) کے خلاف ہے۔ کیوں کہ پیشگی طور پر یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ ایٹم کے متعدد ذرات میں سے کون سا ذرہ پہلے ٹوٹے گا۔ اس کا مدار تمام تر اتفاق پر ہے۔ اس مظہر کی توجیہہ کے لئے ایٹم میں جو پر اسرار طاقت فرض کی گئی ہے اسی کا نام کمزور نیوکلیر فورس ہے۔

سائنس داں یہ یقین کرتے رہے ہیں کہ انھیں چار طاقتوں کے تعامل (Interactions) سے کائنات کے تمام واقعات ظہور میں آتے ہیں۔ مگر سائنس عین اپنی فطرت کے لحاظ سے ہمیشہ وحدت کی کھوج میں رہتی ہے۔ کائنات کا سائنسی مشاہدہ بتاتا ہے کہ پوری کائنات انتہائی ہم آہنگ ہو کر چل رہی ہے۔ یہ حیرت ناک ہم آہنگی اشارہ کرتی ہے کہ کوئی ایک قانون ہے جو فطرت کے پورے نظام میں کارفرما ہے۔ چنانچہ طبیعیات مستقل طور پر ایک متحدہ اصول (Unified Theory) کی تلاش میں ہے۔ سائنس کا "ضمیر" متواتر اس جد وجہد میں رہتا ہے کہ وہ قوانین فطرت کی تعداد کو کم کرے اور کوئی ایک ایسا اصول فطرت (Principle) دریافت کرے جو تمام واقعات کی توجیہہ کرنے والا ہو۔

آئن شٹائن نے مذکورہ قوانین میں سے پہلے دو قوانین کشش اور برقی مقناطیسیت کے اتحاد (Unification) کی کوشش کی اور اس میں ۲۵ سال سے زیادہ مدت تک لگا رہا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ کہا جاتا ہے کہ اپنی موت سے کچھ پہلے اس نے اپنے لڑکے سے کہا تھا: میری تمنا تھی کہ میں اور زیادہ ریاضی جانتا تاکہ اس مسئلہ کو حل کر لیتا۔ ڈاکٹر عبد السلام (پیدائش ۱۹۲۶) اور دوسرے دو امریکی سائنس دانوں (گلاسگو اور وین برگ) کو ۱۹۷۹ میں طبیعیات کا جو مشترکہ نوبل انعام ملا ہے وہ ان کی اسی قسم کی ایک تحقیق پر ہے۔ انھوں نے مذکورہ قوانین فطرت میں سے آخری دو قانون (طاقتور اور کمزور نیوکلیر فورس) کو ایک واحد ریاضیاتی اسکیم میں متحد کر دیا۔ اس نظریہ کا نام جی ایس ڈبلیو نظریہ (G-S-W Theory) رکھا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ انھوں نے ثابت کیا ہے کہ دونوں قوانین اصلاً ایک ہیں۔ اس طرح انھوں نے چار کی تعداد کو گھٹا کر تین تک پہنچا دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دریافت کا بڑا سہرا ڈاکٹر عبد السلام کے سر ہے۔ مگر ان کو تنہا انعام نہ ملنا دراصل ان کی اس پس ماندگی کی قیمت ہے کہ وہ پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں جو اس قسم کی کسی تحقیق کا ساز و سامان اپنے پاس نہیں رکھتا۔ ایسی تحقیق صرف ایسے اداروں میں ہو سکتی ہے جن کے پاس ٹنوں روپیہ ہو، انتہائی رقمی مشینیں ہوں اور کسی تحقیق کے لئے وہ درجنوں سائنس دانوں کی خدمات حاصل کر سکتے ہوں۔ ایسے ادارے یا امریکہ میں ہیں یا جاپان میں یا مغربی یورپ میں۔

سائنس اگرچہ اپنے کو "کیا ہے" کے سوال تک محدود رکھتی ہے، وہ "کیوں ہے" کے سوال تک جانے کی کوشش نہیں کرتی۔ تاہم یہ ایک واقعہ ہے کہ سائنس نے جو دنیا دریافت کی ہے وہ اتنی پیچیدہ اور حیرت ناک ہے کہ اس کو جاننے کے بعد کوئی آدمی "کیوں ہے" کے سوال سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میکسویل (۱۸۳۱ – ۷۹) وہ شخص ہے جس نے برقی مقناطیسی تعامل (Electromagnetic Interaction) کے قوانین کو ریاضی کی مساواتوں (Equations) میں نہایت کامیابی کے ساتھ بیان کیا۔ انسان سے باہر فطرت کا جو مستقل نظام ہے اس میں کام کرنے والے ایک قانون کا انسانی ذہن کی بنائی ہوئی ریاضیاتی مساوات میں اتنی خوبی کے ساتھ ڈھل جانا اتنا عجیب تھا کہ اس کو دیکھ کر بولٹزمن بے اختیار کہہ اٹھا: وہ کون خدا تھا جس نے یہ نشانیاں لکھ دیں Who was the God who wrote these signs?

ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی نہ کیجئے

ایک شخص سرکاری ملازم تھا۔ شہر میں اس کے پاس ذاتی مکان تھا۔ زندگی آرام سے گزر رہی تھی۔ اس کے بعد اس کو اپنی لڑکی کی شادی کرنی پڑی۔ شادی میں اس نے اپنے محکمہ سے ایک بڑا قرض لے لیا۔ لڑکی کی شادی دھوم سے ہوگئی۔ مگر اس کے بعد ایک نیا مسئلہ سامنے آگیا۔ اس کی تنخواہ میں سے ہر مہینہ قرض کی قسط کٹنے لگی۔ اس کی وجہ سے اس کو ماہانہ ملنے والی رقم تقریباً آدھی ہوگئی۔ خرچ چلنا مشکل ہوگیا۔ میاں بیوی نے مشورہ کیا کہ گھر کا ایک حصہ کرایہ پر دے دیں اور کرایہ میں جو رقم آئے اس کو ملاکر گزارہ کریں۔ انھوں نے ایک بڑا کمرہ اور اس سے ملا ہوا غسل خانہ اپنے لئے رکھا اور باقی پورا مکان کرایہ پر دے دیا۔

اس طرح پانچ سال گزر گئے۔ اس کے بعد کرایہ دار کی نیت بگڑ گئی۔ اس نے چاہا کہ پورے مکان پر قبضہ کرلے۔ اس نے شادی کا بہانہ بناکر مالک مکان سے کہا کہ آپ دو ہفتہ کے لئے اپنا کمرہ ہم کو دے دیں تاکہ ہم اپنے مہمانوں کو ٹھہرا سکیں۔ دو مہینہ کے بعد ہم آپ کا کمرہ خالی کردیں گے۔ کرایہ دار نے وقتی طور پر ان کے لئے جگہ کا بھی انتظام کردیا۔ مالک مکان اس کے کہنے میں آگئے اور کمرہ چھوڑ کر چلے گئے۔ بعد کو کرایہ دار نے ان کا تمام سامان ان کے پاس بھجوا دیا۔ دو ہفتہ گزرنے کے بعد مالک مکان نے اپنے گھر میں آنا چاہا تو کرایہ دار نے ان کو بھگا دیا اور کہا کہ یہ پورا مکان میرا ہے۔ اب اس سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔

اب مالک مکان کیا کریں۔ ان کے کچھ دوستوں نے مشورہ دیا کہ اگر تم مکان خالی کرانے کے لئے مقدمہ کرو تو اس کے فیصلہ میں دس سال لگ جائیں گے۔ تم ایسا کرو کہ کچھ آدمی جمع کرو اور مکان میں گھس کر زبردستی کرایہ دار کو نکال دو اور اس پر قبضہ کرلو۔ مالک مکان نے ایسا ہی کیا۔ مگر کرایہ دار بھی ہوشیار تھا۔ جب مالک مکان نے "حملہ" کیا تو اس نے فوراً پولیس کو رپورٹ کردی۔ پولیس موقع پر پہنچ گئی اور مالک مکان پر فوجداری مقدمہ قائم ہوگیا۔ مقدمہ تقریباً دس سال تک چلتا رہا اور ایک کے بعد ایک کئی مقدمے بنتے چلے گئے۔ مکان کا مسئلہ اپنی جگہ قائم رہا۔ اور فوجداری مقدمات کی پیروی میں مالک مکان برباد ہوکر رہ گئے۔ مزید یہ کہ فوجداری جرم کی وجہ سے ان کی سرکاری ملازمت بھی ختم ہوگئی۔

اس واقعہ میں یہ سبق ہے کہ آدمی کو اولاً اپنے اخراجات کو اتنا بڑھانا نہیں چاہئے کہ اس کو اپنا مکان "گروی" رکھ دینا پڑے۔ اور اگر بالفرض اس سے یہ غلطی ہوجائے تو اس کو ایسا نہ کرنا چاہئے کہ اس کی کسی نادانی سے اس کے "مکان" کا رہا سہا حصہ بھی اس سے چھن جائے۔ اور بالفرض اگر اس سے یہ غلطی بھی ہوجائے تو یہ تو کبھی نہ کرنا چاہئے کہ اپنے کسی اقدام سے وہ اپنے کو فوجداری مجرم بنالے۔ کیوں کہ فوجداری مقدمات میں پھنسنے کا انجام صرف بربادی ہے —— جو کچھ آپ سے کھویا گیا ہے اس سے آپ آغاز نہیں کرسکتے۔ اس لئے جو کچھ آپ کے پاس ہے اس سے اپنے عمل کا آغاز کیجئے۔ یہی زندگی کی کامیابی کا راز ہے۔

یہ مزاج جب اجتماعی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو اور بھی زیادہ تباہی برپا کرتا ہے۔ کچھ لیڈر جو اپنے بل پر اپنا سیاسی مقصد حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتے وہ دوسروں کے ساتھ سیاسی اتحاد کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور متحدہ طاقت سے اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد ایک فریق اپنی ہوشیاری سے فائدہ اٹھاکر لے ہوئے سیاسی فوائد پر قبضہ کرلیتا ہے۔ اب دوسرا فریق برہم ہوکر اس کے خلاف ایجی ٹیشن چلاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ خود اور پوری قوم تہس نہس ہوجاتی ہے۔

انقلابی خوش خیالیاں

شیخ مجیب الرحمٰن کو پاکستانی حکمرانوں سے شکایت تھی۔ انھوں نے بنگلہ دیش کی آزادی کی تحریک چلائی۔ مگر جب بنگلہ دیش آزاد ہو چکا اور وہ اپنے بنائے ہوئے ملک کے سربراہ اعلیٰ بن گئے تو ۱۵ اگست ۱۹۷۵ کو خود ان کے ہم وطنوں نے ان کو اور ان کے سارے خاندان کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد بنگلہ دیش میں فوجی انقلابات کا سلسلہ چل پڑا۔ آخر، نومبر ۱۹۷۵ کو کرنل ابوطاہر ایک خونین انقلاب لانے میں کامیاب ہوئے۔ موجودہ صدر ضیاء الرحمٰن اگرچہ اس وقت جیل میں تھے مگر یہ انقلاب کرنل طاہر اور ضیاء الرحمٰن کے مشترکہ منصوبہ کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ انقلاب کے بعد ضیاء الرحمٰن تخت اقتدار پر بٹھا دئے گئے۔ انقلاب سے پہلے ضیاء اور طاہر ایک دوسرے کے دوست تھے۔ مگر ضیاء الرحمٰن نے جب اقتدار حاصل کر لیا تو کرنل طاہر کا وجود ان کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ نظر آنے لگا۔ ضیاء الرحمٰن نے کرنل طاہر کو گرفتار کر لیا ان پر خصوصی عدالت میں مقدمہ چلا اور بالآخر انھیں گولی مار دی گئی۔ ایک مصنف اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ معنی خیز سوال اٹھاتا ہے:

Was his support to Zia a good revolutionary strategy
or revolutionary romanticism that was bound to misfire.

کرنل طاہر کا ضیاء الرحمٰن کی مدد کرنا ایک اچھی انقلابی تدبیر تھی یا وہ ایک انقلابی تخیل پسندی تھی جس کے لئے یہی مقدر تھا کہ اس کا نشانہ خطا کر جائے (ہندستان ٹائمس ۴ نومبر ۱۹۷۹)

اس سوالیہ جملہ کو مثبت جملہ بنا دیا جائے تو یہی موجودہ زمانہ کے اکثر مسلم انقلابیوں کے منصوبہ پر صادق آتا ہے۔ انھوں نے دوسرے عناصر کے ساتھ مل کر بڑے بڑے اقدامات کئے حتیٰ کہ بعض اوقات پورے پورے ملک کو ہلا ڈالا۔ مگر ان کا انقلاب جب اپنے آخری نتیجہ پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس انقلاب کا سارا فائدہ دوسروں کے حصہ میں چلا گیا ہے۔ کامیابیوں کے ہجوم میں اس ناکامی کی واحد وجہ یہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ کیا وہ انقلابی تدبیریں نہ تھیں بلکہ انقلابی خوش خیالیاں تھیں۔ اور حقائق کی اس دنیا میں خوش خیالیوں کی کوئی قیمت نہیں، خواہ ان خوش خیالیوں کے مصنف ایسے لوگ ہوں جن کے معتقدین نے ان کو قائد اکبر اور مفکر اعظم کے خطابات دے رکھے ہوں۔

سیاست، سیاست، سیاست

روس میں اشتراکی انقلاب ۱۹۱۷ میں آیا۔ اس سے پہلے وہاں زار کی شاہی حکومت قائم تھی۔ انقلاب سے پہلے وہاں جو اشتراکی تحریک چل رہی تھی اس کا ایک لیڈر جوزف اسٹالن تھا جو لینن کے مرنے کے بعد روس کا کمیونسٹ حکمراں بنا۔ اپنی تحریک کی کامیابی سے پہلے جوزف اسٹالن نے اشتراکی کارکنوں کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "انقلاب لانے کے لئے ہم کو تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول اسلحہ، دوم اسلحہ، سوم اسلحہ، اور آخر میں پھر اسلحہ" موجودہ زمانہ میں ہمارے قائدین نے اس جملہ کو یوں بدل دیا: اسلام کو سربلند کرنے کے لئے ہم کو تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول سیاست، دوم سیاست، سوم سیاست، اور آخر میں پھر سیاست۔ مگر سیاسی طریق کار کے پیچھے اگر ضروری طاقت موجود نہ ہو تو وہ صرف سیاست برائے سیاست ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ کسی حقیقی نتیجہ تک پہنچانے والی ثابت نہیں ہوتی۔

اللہ سے ڈرنے والے

دنیا میں تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کے ڈر سے خالی ہوں۔ ایسے لوگ خواہ زبان سے اللہ کا نام لیتے ہوں، مگر ان کے سینہ میں اللہ کے ڈر کا کوئی خانہ نہیں ہوتا۔ وہ اس طرح رہتے ہیں جیسے کہ وہ آزاد ہیں کہ جو چاہیں کریں۔ ان کے سامنے سارا سوال بس دنیا کے نفع نقصان کا ہوتا ہے۔ جس کام میں نفع نظر آئے اس کی طرف دوڑ پڑنا اور جس کام میں نقصان کا اندیشہ ہو اس سے رک جانا، یہ ان کا مذہب ہوتا ہے۔ کسی چیز کا اصولی طور پر برحق ثابت ہو جانا ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ ہمیشہ "دلیل" کے بجائے "مفاد" کو اصل اہمیت دیتے ہیں۔ کوئی کام کرتے ہوئے وہ کبھی یہ نہیں سوچتے کہ اس معاملہ میں اللہ کی مرضی کیا ہے یا یہ کہ وہ اللہ کے سامنے کیوں کر بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔ وہ وہاں جھک جاتے ہیں جہاں ان کا نفس جھکنے کے لئے کہے۔ اور وہاں اکڑ جاتے ہیں جہاں ان کا نفس اکڑنے کی ترغیب دے۔ وہ اللہ سے بے خوف زندگی گزارتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں تاکہ اللہ کی عدالت میں حساب دینے کے لئے کھڑے کر دئے جائیں۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے دل میں حرام وحلال کا لحاظ رہتا ہے۔ ان کو یہ خیال آتا رہتا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ کے یہاں حساب کتاب کے لئے حاضر ہونا ہے۔ عام حالات میں وہ اللہ سے ڈر کر زندگی گزارتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں کسی کو ان سے حق تلفی اور بے اخلاقی کا تجربہ نہیں ہوتا۔ تاہم وہ اپنی نفسیاتی پیچیدگیوں سے اٹھے ہوئے نہیں ہوتے۔ ان کا خوفِ خدا اتنا مکمل نہیں ہوتا کہ وہ ان کے نفس کے اندر چھپے ہوئے جذبات کا احاطہ کرلے۔ عام حالات میں وہ خداترس زندگی گزارتے ہیں۔ مگر جب کوئی غیر معمولی حالت پیش آئے تو اچانک وہ دوسری قسم کے انسان بن جاتے ہیں۔ کبھی کسی کی محبت کا لحاظ، کبھی کسی کے خلاف نفرت کا جذبہ، کبھی اپنی عزت کا سوال ان کے اوپر اس طرح غالب آتا ہے کہ ان کا خوف خدا اس کے نیچے دب کر رہ جاتا ہے۔ یہ عمل چونکہ اکثر غیر شعوری طور پر ہوتا ہے اس لئے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوپر اپنے نفس کے اس حملہ سے آگاہ ہوں اور اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اپنے کو منصفانہ روش پر قائم رکھیں۔ معمول کے حالات میں خداترسی کی زندگی گزارنے والا غیر معمولی حالات میں وہی کچھ کر گزرتا ہے جو پہلی قسم کے لوگ اپنی عام زندگی میں کرتے رہتے ہیں۔

تیسرا انسان وہ ہے جو پورے معنوں میں اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ جو اللہ کو پہچاننے کے ساتھ خود اپنے آپ کو بھی پوری طرح پہچان چکا ہو۔ ایسا شخص صرف عام حالات ہی میں اللہ سے نہیں ڈرتا بلکہ غیر معمولی حالات میں بھی اللہ کا خوف اس کا نگراں بنا رہتا ہے۔ کسی کی محبت جب اس کو بے خوفی کے راستہ پر لے جانا چاہتی ہے تو وہ فوراً اس کو دیکھ لیتا ہے۔ کسی سے چھپی ہوئی نفرت جب اس کے نفس میں تیرتی ہے اور اس کو بے انصافی پر اکساتی ہے تو وہ چونک پڑتا ہے اور اس سے باخبر ہو کر اس کے خلاف کھڑا ہو جاتا ہے۔ ذاتی عزت ووقار کا سوال جب اس کے اندر داخل ہو کر اس کو کسی حق کے اعتراف سے روکتا ہے تو وہ بلا تاخیر اس کو جان لیتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی تمام خامیوں سے آگاہ ہو کر اپنی اصلاح کرتا رہتا ہے۔ اس کا مسلسل احتساب اس کو ایسے مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں وہ اپنے آپ کو انتہائی بے لاگ نظر سے دیکھ سکے۔ بالفاظ دیگر، وہ اپنے آپ کو اس حقیقی نظر سے دیکھنے لگتا ہے جس نظر سے اس کا خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔

بے شک جن لوگوں نے انکار کیا، ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اور یہی لوگ آگ کے ایندھن ہوں گے۔ ان کا انجام ویسا ہی ہوگا جیسا فرعون والوں کا اور ان سے پہلے والوں کا ہوا۔ انھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا۔ اس پر اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث ان کو پکڑ لیا۔ اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ انکار کرنے والوں سے کہہ دو کہ اب تم مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف جمع کرکے لے جائے جاؤ گے اور جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔ بے شک تمھارے لئے نشانی ہے ان دو گروہوں میں جن میں (بدر میں) مڈبھیڑ ہوئی۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا منکر تھا۔ یہ منکر کھلی آنکھوں سے ان کو دوگنا دیکھتے تھے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد کا زور دے دیتا ہے۔ اس میں آنکھ والوں کے لئے بڑا سبق ہے ۱۳-۱۰

حق کی دعوت جب بھی اٹھتی ہے تو وہ لوگوں کو ایک غیر اہم آواز معلوم ہوتی ہے۔ ایک طرف وقت کا ماحول ہوتا ہے جس کے قبضہ میں ہر قسم کے مادی وسائل ہوتے ہیں۔ دوسری طرف حق کا قافلہ ہوتا ہے جس کو ابھی ماحول میں کوئی جماؤ حاصل نہیں ہوتا، اس کے ساتھ مادی مفادات وابستہ نہیں ہوتے۔ ان حالات میں حق کی طرف بڑھنا ماحول سے کٹنے اور مفادات سے محروم ہونے کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے مفادات کو بچانے کی خاطر حق کو نہیں مانتا۔ اپنے ساتھیوں اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر ایک تنہا داعی کی صف میں آنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ مگر یہ چیزیں جو انسان کو آج اہم نظر آتی ہیں وہ فیصلہ کے دن کسی کے کچھ کام نہ آئیں گی۔ ان چیزوں کی جو کچھ اہمیت ہے صرف اس وقت تک ہے جب کہ معاملہ انسان اور انسان کے درمیان ہے۔ جب قیامت کا پردہ پھٹے گا اور معاملہ انسان اور خدا کے درمیان ہوجائے گا تو یہ چیزیں اتنی بے قیمت ہوجائیں گی جیسے کہ ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ داعی اس دنیا میں بظاہر بے زور دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت میں وہی زور والا ہے۔ کیوں کہ اس کے پیچھے خدا ہے۔ منکر بظاہر اس دنیا میں طاقت ور دکھائی دیتا ہے۔ مگر وہ بالکل بے طاقت ہے۔ کیوں کہ اس کی طاقت ایک وقتی فریب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

نبوت کے چودھویں سال بدر کا معرکہ آخرت میں ہونے والے واقعہ کا ایک دنیوی نمونہ تھا۔ حق کا انکار کرنے والے تعداد اور طاقت میں بہت زیادہ تھے اور حق کو ماننے والے تعداد اور طاقت میں بہت کم تھے۔ اس کے باوجود منکرین کو غیر معمولی شکست ہوئی اور حق کے پیرووں کو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔ یہ ایک واضح ثبوت ہے کہ اللہ ہمیشہ حق کے پیرووں کی جانب ہوتا ہے۔ اتنے غیر معمولی فرق کے باوجود اتنی غیر معمولی فتح اللہ کی مدد کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ یہ خدا کی طرف سے اس بات کا ایک مظاہرہ ہے کہ حق اس عالم میں تنہا نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ منکرین کے لئے وہ ایک ظاہری دلیل بھی ہے جس میں وہ دیکھ سکتے ہیں کہ خدا کی اس دنیا میں وہ کتنے بے جگہ ہیں ــــــ داعیٔ حق کے کلام اور اس کی زندگی میں کھلی ہوئی علامتیں ہوتی ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ مگر جو سرکش لوگ ہیں وہ اس کو رد کرنے کے لئے الفاظ کی ایک پناہ گاہ بنا لیتے ہیں۔ وہ جھوٹی توجیہات میں جیتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ آخرت کی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں، صرف یہ جاننے کے لئے کہ وہ جن الفاظ کا سہارا لئے ہوئے تھے وہ حقیقت کے اعتبار سے کس قدر بے معنی تھے۔

لوگوں کے لئے خوش نما کردی گئی ہے محبت خواہشوں کی ـــــــ عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر، نشان لگے ہوئے گھوڑے، مویشی اور کھیتی۔ یہ دنیوی زندگی کے سامان ہیں۔ اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔ کہو، کیا میں تم کو بتاؤں اس سے بہتر چیز۔ ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ستھری بیویاں ہوں گی اور اللہ کی رضامندی ہوگی۔ اور اللہ کی نگاہ میں ہیں اس کے بندے، جو کہتے ہیں اے ہمارے رب، ہم ایمان لے آئے۔ پس تو ہمارے گناہوں کو معاف کردے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔ وہ صبر کرنے والے ہیں اور سچے ہیں فرماں بردار ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی رات کو مغفرت مانگنے والے ہیں ۱۴ ـ ۱۷

دنیا امتحان کی جگہ ہے۔ اس لئے یہاں کی چیزوں میں آدمی کے لئے ظاہری کشش رکھی گئی ہے۔ اب خدا یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون ہے جو ظاہری کشش سے متاثر ہوکر دنیا کی چیزوں میں کھو جاتا ہے۔ اور کون ہے جو اس سے اوپر اٹھ کر آخرت کی ان دیکھی چیزوں کو اپنی توجہ کا مرکز بناتا ہے۔ آدمی کو دنیا کی چیزوں میں تسکین ملتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ماحول کے اندر ان کے ذریعہ سے وقار قائم ہوتا ہے۔ یہ چیزیں ہوں تو اس کے سب کام بنتے چلے جاتے ہیں۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہی چیزیں اصل اہمیت کی چیزیں ہیں۔ اس کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں سمٹ کر بیوی بچوں اور مال و جائداد کے گرد جمع ہو جاتی ہیں یہی چیز آخرت کے تقاضوں کی طرف بڑھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ دنیا کی چیزوں کی اہمیت کا احساس آدمی کو آخرت کی چیزوں کی طرف سے غافل کر دیتا ہے۔ دنیا میں اپنے بچوں کے مستقبل کی تعمیر میں وہ اتنا مشغول ہوتا ہے کہ اس کو یاد نہیں رہتا کہ دنیا سے ماورا بھی کوئی "مستقبل" ہے جس کی تعمیر کی اس کو فکر کرنا چاہئے۔ دنیا میں اپنے گھر کو آباد کرنا اس کے لئے اتنا محبوب بن جاتا ہے کہ اس کو کبھی خیال نہیں آتا کہ اس کے سوا بھی کوئی "گھر" ہے جس کی آبادی میں اس کو لگنا چاہئے۔ دنیا میں دولت سمیٹنا اور جائداد بنانا اس کو اتنا زیادہ قیمتی معلوم ہوتے ہیں کہ وہ سوچ نہیں پاتا کہ اس کے سوا بھی کوئی "دولت" ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے کو وقف کرے۔ مگر اس قسم کی تمام چیزیں صرف موجودہ عارضی زندگی کی رونق ہیں۔ اگلی طویل تر زندگی میں وہ کسی کے کچھ کام آنے والی نہیں۔

جو شخص آخرت کی مستقل زندگی کو اپنی توجہات کا مرکز بنائے اس کی زندگی کیسی زندگی ہوگی۔ دنیا کی رونقیں اس کی نظر میں حقیر بن جائیں گی۔ وہ اس یقین سے بھر جائے گا کہ آخرت کا معاملہ تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سب سے زیادہ اللہ سے ڈرے گا اور سب سے زیادہ آخرت کا حریص بن جائے گا۔ معاملات میں وہ اپنی خواہش کے پیچھے نہیں چلے گا بلکہ اللہ کی عدالت کو سامنے رکھ کر اپنا رویہ متعین کرے گا۔ اس کے قول و عمل میں فرق نہیں ہوگا۔ اس کا مال اپنا مال نہ رہے گا بلکہ خدا کے لئے وقف ہو جائے گا۔ اللہ کی راہ میں چلنے میں خواہ کتنی ہی مشکلیں پیش آئیں وہ پوری استقامت کے ساتھ اس پر قائم رہے گا۔ کیوں کہ اس کو یقین ہوگا کہ اللہ کو چھوڑنے کے بعد کوئی نہیں ہے جو اس کا سہارا بنے۔ اس کا دل اللہ کی یاد سے اس طرح پگھل اٹھے گا کہ وہ بے تابانہ اس کو پکارنے لگے گا۔ اس کی تنہائیاں اپنے رب کی محبت میں بسر ہونے لگیں گی۔ اللہ کے عظمت و کمال کے آگے اس کو اپنا وجود سر تا پا غلطی نظر آئے گا۔ اس کے پاس کہنے کے لئے اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ ـــــ اے میرے رب مجھے معاف کردے۔

اللہ کی گواہی ہے اور فرشتوں کی اور اہل علم کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ قائم رکھنے والا ہے انصاف کا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ اور اہل کتاب نے اس میں جو اختلاف کیا وہ آپس کی ضد کی وجہ سے کیا، بعد اس کے کہ ان کو صحیح علم پہنچ چکا تھا۔ اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے تو اللہ یقیناً جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر اگر وہ تم سے اس بارے میں جھگڑیں تو ان سے کہہ دو کہ میں اپنا رخ اللہ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو ہیں وہ بھی۔ اور اہل کتاب سے اور اَن پڑھوں سے پوچھو کیا تم بھی اسی طرح اسلام لاتے ہو۔ اگر وہ اسلام لائیں تو انھوں نے راہ پالی۔ اور اگر وہ پھر جائیں تو تمھارے اوپر صرف پہنچا دینا ہے۔ اور اللہ کی نگاہ میں ہیں اس کے بندے۔ جو لوگ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو مار ڈالتے ہیں جو لوگوں میں سے انصاف کی دعوت لے کر اٹھتے ہیں، ان کو ایک دردناک سزا کی خوش خبری دے دو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کا مددگار کوئی نہیں ۱۸—۲۲

کائنات کا خدا ایک ہی خدا ہے اور وہ عدل وقسط کو پسند کرتا ہے۔ تمام آسمانی کتابیں اپنی صحیح صورت میں اسی کا اعلان کر رہی ہیں۔ پھیلی ہوئی کائنات جو اس کا مالک اپنے غیر مرئی کارندوں (فرشتوں) کے ذریعہ چلا رہا ہے وہ کامل طور پر ویسی ہی ہے جیسا کہ اس کو ہونا چاہئے۔ ثابت شدہ علم انسانی کے مطابق کائنات ایک حد درجہ وحدانی نظام ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ کائنات کا مدبر صرف ایک ہے۔ اسی طرح کائنات کی ہر چیز کا اپنے محل مناسب میں ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا خدا عدل کو پسند کرنے والا خدا ہے نہ کہ بے انصافی کو پسند کرنے والا۔ پھر جو خدا وسیع تر کائنات میں مسلسل عدل کو قائم کئے ہوئے ہو وہ انسان کے معاملہ میں خلاف عدل باتوں پر کیسے راضی ہو جائے گا۔

کائنات کا ہر جز کامل طور پر "مسلم" ہے۔ یعنی اپنی سرگرمیوں کو اللہ کے مقررہ نقشہ کے مطابق انجام دیتا ہے۔ ٹھیک یہی رویہ انسان سے بھی مطلوب ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے اور اس کے مطلوبہ نقشہ کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لے۔ اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا مرکز توجہ بنانا یا یہ خیال کرنا کہ اللہ کا فیصلہ عدل کے سوا کسی اور بنیاد پر ہو سکتا ہے، ایسی بے اصل بات ہے جس کے لئے موجودہ کائنات میں کوئی گنجائش نہیں۔

قرآن کی دعوت اسی سچے اسلام کی دعوت ہے۔ جو لوگ اس سے اختلاف کر رہے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس کا حق ہونا ان پر واضح نہیں ہے۔ اس کی وجہ ضد ہے۔ اس کو ماننا انھیں داعیٔ قرآن کی فکری برتری تسلیم کرنے کے ہم معنی نظر آتا ہے، اور ان کی حسد اور کبر کی نفسیات اس قسم کا اعتراف کرنے پر راضی نہیں۔ سیدھی طرح حق کو مان لینے کے بجائے وہ چاہتے ہیں کہ اس زبان ہی کو بند کر دیں جو حق کا اعلان کر رہی ہے۔ تاہم خدا کی دنیا میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔ داعیٔ حق کی زبان کو بند کرنے کے لئے ان کا ہر منصوبہ ناکام ہوگا اور جب خدا کے عدل کا ترازو کھڑا ہوگا تو وہ دیکھ لیں گے کہ ان کے وہ اعمال کس قدر بے قیمت تھے جن کے بل پر وہ اپنی نجات اور کامیابی کا یقین کئے ہوئے تھے —— یہی دلیل خدا کی نشانی ہے۔ جو شخص دلیل کے سامنے نہیں جھکتا وہ گویا خدا کے سامنے نہیں جھکتا۔ ایسے لوگ قیامت میں اس طرح اٹھیں گے کہ وہ سب سے زیادہ بے سہارا ہوں گے۔

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو اللہ کی کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ ان کو اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جارہا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ پھر ان کا ایک گروہ منھ پھیر لیتا ہے بے رخی کرتے ہوئے۔ یہ اس سبب سے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو ہرگز آگ نہ چھوئے گی بجز گنے ہوئے چند دنوں کے۔ اوران کی بنائی ہوئی باتوں نے ان کو ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ پھر اس وقت کیا ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے ایک دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص کو جو کچھ اس نے کیا ہے، اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ تم کہو، اے اللہ، سلطنت کے مالک تو جس کو چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔ اور تو جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے۔ تیرے ہاتھ میں ہے سب خوبی۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور تو بے جان سے جان دار کو نکالتا ہے اور تو جان دار سے بے جان کو نکالتا ہے۔ اور تو جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے
۲۷ - ۲۳

اللہ کی ہدایت ایک ہی ہدایت ہے جو مختلف قوموں کی زبان میں ان کے پیغمبروں پر اتاری جاتی رہی ہے۔ وہی قرآن کی صورت میں پیغمبر آخرالزماں پر اتاری گئی ہے۔ اس یکسانیت کی وجہ سے آسمانی کتابوں کو جاننے اور ماننے والوں کے لئے قرآن کی دعوت کو پہچاننا مشکل نہیں۔ قرآن کی دعوت میں اور پچھلی آسمانی تعلیمات میں اگر کچھ فرق ہے تو صرف یہ کہ قرآن کی دعوت ان کی اپنی ملاوٹوں سے دین خداوندی کو پاک کررہی ہے۔ اس کے باوجود کیوں ایسا ہے کہ بہت سے لوگ قرآن کی دعوت کا انکار کررہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی دعوت کو وہ اپنے لئے کوئی سنجیدہ معاملہ نہیں سمجھتے۔ اپنے خودساختہ عقائد کی بنا پر انھوں نے اپنے کو جہنم کی آگ سے محفوظ فرض کرلیا ہے۔ اپنی اس نفسیات کے تحت وہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ اس حق کا اعتراف نہ کریں تو اس سے ان کی نجات خطرہ میں پڑنے والی نہیں۔ مگر جب خدا کے انصاف کا ترازو کھڑا ہوگا اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ وہ محض خوش خیالیوں کے اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے۔

ہر قسم کی عزت وطاقت اللہ کے اختیار میں ہے۔ وقت کے بڑے جس کو بے حقیقت سمجھ لیں، خدا چاہے تو اسی کے حق میں عزت وسربلندی کا فیصلہ کردے۔ علم کی گدیوں پر بیٹھنے والے جس کے جہل کا فتویٰ دیں، خدا چاہے تو اسی کے ذریعہ علم کا چشمہ جاری کردے۔ خدا کی نظر میں اگر کوئی عزت وطاقت کا مستحق ہوسکتا ہے تو وہ جو اس کو خالص خدا کی چیز سمجھے اور خدا کی نظر میں اس کا سب سے زیادہ غیر مستحق اگر کوئی ہے تو وہ جو اس کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ لے۔ خدا وسیع تر کائنات میں روزانہ بہت بڑے پیمانہ پر یہ کرشمہ دکھا رہا ہے کہ وہ تاریکی کو روشنی کے اوپر اوڑھا دیتا ہے اور روشنی کو تاریکی کے اوپر ڈال دیتا ہے۔ وہ مردہ عناصر سے زندگی وجود میں لاتا ہے اور زندہ چیزوں کو مردہ عناصر میں تبدیل کرتا ہے۔ خدا کی یہی قدرت اگر انسانی تاریخ میں ظاہر ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ جو لوگ حق کے نام پر ناحق کا کاروبار کررہے ہوں وہ ہمیشہ سچی دعوت حق کے مخالف ہوجاتے ہیں۔ ایسے داعی کو بے گھر کیا جاتا ہے۔ اس کے معاشی ذرائع برباد کئے جاتے ہیں۔ مگر ایسا شخص براہ راست اللہ کی سرپرستی میں ہوتا ہے۔ وہ اس کے لئے خصوصی رزق کا انتظام کرتا ہے۔ دوسروں کو ان کی معاشی محنت کے حساب سے رزق دیا جاتا ہے اور ایسے شخص کو بلا حساب۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ اور جو شخص ایسا کرے گا تو اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مگر ایسی حالت میں کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو۔ اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنی ذات سے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ کہہ دو کہ جو کچھ تمھارے سینوں میں ہے اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ اس کو جانتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس دن ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی کو اپنے سامنے موجود پائے گا، اور جو برائی کی ہوگی اس کو بھی۔ اس دن ہر آدمی یہ چاہے گا کہ کاش ابھی یہ دن اس سے بہت دور ہوتا۔ اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنی ذات سے۔ اور اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ کہو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمھارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ کہو کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ۲۸—۳۲

مومن تمام انسانوں کے ساتھ نیکی اور عدل کا سلوک کرنے والا ہوتا ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں۔ مگر جب غیر مسلموں کے ساتھ دوستی مسلمانوں کے مفاد کی قیمت پر ہو تو ایسی دوستی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔ تاہم بچاؤ کی تدبیر کے طور پر اگر کسی وقت ایک مسلمان یا کسی مسلم گروہ کو غیر مسلموں سے وقتی تعلق قائم کرنا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ نیت کو دیکھتا ہے اور جب نیت درست ہو تو وہ کسی کو اس کے عمل پر نہیں پکڑتا۔ تمام معاملات میں اصل قابل لحاظ چیز اللہ کا خوف ہے۔ آدمی کسی معاملہ میں جو رویہ اختیار کرے، اس کو اچھی طرح سوچ لینا چاہئے کہ اللہ اس کا حساب لے گا۔ اور اس کے انصاف کے ترازو میں جو غلط ٹھہرے گا وہ اس کی سزا پا کر رہے گا۔ اللہ سے کسی انسان کی کوئی بات اوجھل نہیں، خواہ وہ اس نے چھپ کر کی ہو یا علانیہ کی ہو۔ جب امتحان کا پردہ ہٹے گا اور آخرت کا عالم سامنے آئے گا تو آدمی کے اعمال کی پوری کھیتی اس کے سامنے ہوگی۔ یہ منظر اتنا ہولناک ہوگا کہ وہ چیزیں جو دنیا میں اس کے نفس کی لذت بنی ہوئی تھیں، وہ چاہے گا کہ وہ اس سے بہت دور چلی جائیں۔

اللہ کسی کے اسلام کو جہاں دیکھتا ہے وہ اس کا قلب ہے۔ مومن وہی ہے جس کا اللہ سے تعلق قلبی محبت کی حد تک قائم ہو جائے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو اللہ کی محبت و توجہ کا مستحق بنتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ سے اس طرح تعلق قائم کرے اس سے اگر کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں تو اللہ اس سے درگزر فرماتا ہے۔ اللہ سرکشوں کے لئے بہت سخت ہے۔ مگر جو لوگ عاجزی کا رویہ اختیار کریں وہ ان کے لئے نرم پڑ جاتا ہے۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جس سینہ میں کسی کی محبت موجود ہو اسی سینہ میں محبوب کے دشمن کی محبت جمع نہیں ہو سکتی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ محبوب اگر ایسی ہستی ہو جو آدمی کے لئے آقا و مالک کا درجہ رکھتی ہو تو اس کے ساتھ محبت صرف محبت کی حد تک نہ رہے گی بلکہ لازماً وہ اطاعت و فرماں برداری کا جذبہ پیدا کرے گی۔ خدا کی جس محبت کے بعد خدا کے دشمنوں سے قلبی تعلق ختم نہ ہو یا اس کی اطاعت و فرماں برداری کا جذبہ پیدا نہ ہو وہ جھوٹی محبت ہے۔ ایسے شخص کا شمار اللہ کے یہاں انکار کرنے والوں میں ہوگا نہ کہ ماننے والوں میں —— رسول وہ شخص ہے جس کے کامل خدا پرست ہونے کی گواہی خود خدا نے دی ہے، اس لئے خدا پرستانہ زندگی کے لئے رسول کا نمونہ ہی موجودہ دنیا میں واحد مستند نمونہ ہے۔

بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو سارے عالم کے اوپر منتخب کیا ہے۔ یہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب میں نے نذر کیا تیرے لئے جو میرے پیٹ میں ہے وہ آزاد رکھا جائے گا۔ پس تو مجھ سے قبول کر بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔ پھر جب اس نے جنا تو اس نے کہا اے میرے رب میں تو لڑکی جنی ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس نے کیا جنا ہے اور لڑکا نہیں ہوتا لڑکی کی مانند۔ اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پس اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول کیا اور اس کو عمدہ طریقہ سے پروان چڑھایا اور زکریا کو اس کا سرپرست بنایا۔ جب کبھی زکریا ان کے پاس حجرہ میں آتا تو وہاں رزق پاتا۔ اس نے پوچھا اے مریم یہ چیز تمھیں کہاں سے ملتی ہے۔ مریم نے کہا یہ اللہ کے پاس سے ہے بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دے دیتا ہے۔ اس وقت زکریا نے اپنے رب کو پکارا۔ اس نے کہا اے میرے رب مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کر بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔ پھر فرشتوں نے اس کو آواز دی جب کہ وہ حجرہ میں کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تجھ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور اپنے نفس کو روکنے والا ہوگا اور نبی ہوگا نیکوں میں سے۔ زکریا نے کہا اے میرے رب میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالاں کہ میں بوڑھا ہو چکا اور میری عورت بانجھ ہے۔ فرمایا اسی طرح اللہ کر دیتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ زکریا نے کہا اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے۔ کہا تمھارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے مگر اشارہ سے اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرتے رہو اور شام اور صبح اس کی تسبیح کرو۔ اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ نے تم کو منتخب کیا اور تم کو پاک کیا اور تم کو دنیا بھر کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب کیا ہے۔ اے مریم اپنے رب کی فرماں برداری کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تم کو وحی کر رہے ہیں اور تم ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنے قرعے ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی سرپرستی کرے اور نہ تم اس وقت ان کے پاس موجود تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے

۳۳ — ۴۴

اللہ نے حضرت زکریا کو بڑھاپے میں اولاد دی، حضرت مریم کو حجرہ میں رزق پہنچایا، حضرت مسیح کو بغیر باپ کے پیدا کیا، آل ابراہیم میں ایسے صلحاء پیدا کئے جن کو خدا کی پیغام بری کے لئے چنا جائے۔ اللہ نے اپنے ان بندوں کو یہ انعامات یوں ہی نہیں دئے بلکہ ان کو اس کا مستحق پاکر ایسا کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اپنی اولاد سے معاشی توقعات قائم نہیں کیں، ان کی خوشی اس میں تھی کہ ان کی اولاد اللہ کی راہ میں سرگرم ہو۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اپنے اندر اس تمنا کی پرورش کی کہ ان کی اولاد شیطان سے بچی رہے، وہ نیک بندوں کی جماعت میں شامل ہو جائے۔ کسی کے اندر بھلائی دیکھ کر وہ حسد اور جلن میں مبتلا نہیں ہوئے۔ ان کے نیک جذبات کے اثر سے ان کی اولاد بھی ایسی ہوئی جو دنیا کی زندگی میں اپنے نفس پر قابو رکھنے والی ہو، وہ اللہ کو یاد کرے، بدی اور نیکی کے درمیان وہ نیکی کے راستہ کو اختیار کرے —— یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ اپنے رزق خاص سے کھلاتا پلاتا ہے اور ان کو اپنی خصوصی رحمت کے لئے قبول کر لیتا ہے۔

جب فرشتوں نے کہا اے مریم، اللہ تم کو خوش خبری دیتا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی۔ اس کا نام مسیح عیسٰی بن مریم ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں مرتبہ والا ہوگا اور اللہ کے مقرب بندوں میں ہوگا۔ وہ لوگوں سے باتیں کرے گا جب ماں کی گود میں ہوگا اور جب پوری عمر کا ہوگا۔ اور وہ صالحین میں سے ہوگا۔ مریم نے کہا اے میرے رب، میرے کس طرح لڑکا ہوگا جب کہ کسی مرد نے مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ فرمایا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ اور اللہ اس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا اور وہ رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف کہ میں تمھارے پاس تمھارے رب کی نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمھارے لئے مٹی سے پرندہ کی مانند صورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے واقعی پرندہ بن جاتی ہے۔ اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں۔ اور میں اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کرتا ہوں۔ اور میں تم کو بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ کرتے ہو۔ بے شک اس میں تمھارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے کی ہے اور میں اس لئے آیا ہوں کہ بعض ان چیزوں کو تمھارے لئے حلال ٹھہراؤں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ اور میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمھارا رب بھی۔ پس اس کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے ۵۱ ـ ۴۵

یہود کی نسل کو اللہ نے اس خاص منصب کے لئے چن لیا تھا کہ ان پر اپنی ہدایت اتارے تاکہ وہ خود اللہ کے راستہ پر چلیں اور دوسروں کو اس سے آگاہ کریں۔ مگر بعد کے زمانہ میں یہود کے اندر بگاڑ آ گیا۔ حتی کہ اللہ کی نظر میں وہ اس قابل نہ رہے کہ آسمانی ہدایت کے امین بن سکیں۔ اب اللہ کا فیصلہ یہ ہوا کہ یہ امانت ان سے چھین کر آل ابراہیم کی دوسری شاخ (بنی اسماعیل) کو دے دی جائے۔ اس فیصلہ کے نفاذ سے پہلے یہود پر اتمام حجت ضروری تھا۔ حضرت مسیح اسی اتمام حجت کے لئے بھیجے گئے۔ آنجناب کی فوق العادت پیدائش اور آپ کو غیر معمولی معجزات کا دیا جانا اسی لئے تھا کہ یہود کو اس بارے میں کوئی شبہ نہ رہے کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں اور خدا کی طرف سے بول رہے ہیں۔ حضرت مسیح اپنے ساتھ نہ صرف فوق الفطری نشانیاں رکھتے تھے بلکہ وہ اتنے مؤثر اور مدلل انداز میں بولتے تھے کہ ان کے زمانہ میں کوئی اس طرح بولنے پر قادر نہ تھا۔ پہلی بار جب آپ نے یروشلم کے ہیکل میں تقریر کی تو یہودی علماء آپ کی باتوں کو سن کر دنگ رہ گئے (لوقا ۲ : ۴۸) یہ ان کی معجزنما شخصیت اور ان کے مبہوت کر دینے والے کلام ہی کا اثر تھا کہ اگرچہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے مگر آپ کے سامنے کسی کو جرأت نہ ہو سکی کہ اس پہلو سے آپ کو مطعون کرے۔ تاہم یہود اتنے بے حس اور اتنے سرکش ہو چکے تھے کہ انتہائی کھلے کھلے دلائل سامنے آجانے کے باوجود انھوں نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ "اس میں نشانی ہے ایمان والوں کے لئے" ــــ یعنی جو دلیل پیش کی جارہی ہے وہ بذات خود اگرچہ مکمل ہے۔ مگر وہ اسی شخص کے لئے دلیل بنے گی جو ماننے کا مزاج رکھتا ہو۔ جس کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ اپنے خیالات کے خول سے باہر آکر دلیل پر غور کرے۔ جس کی فطرت اس حد تک زندہ ہو کہ ذاتی وقار کا سوال اس کے لئے حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ نہ بنے۔

پھر جب عیسیٰ نے ان کا انکار دیکھا تو کہا کہ کون میرا مددگار بنتا ہے اللہ کی راہ میں۔ حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار۔ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور آپ گواہ رہیے کہ ہم فرماں بردار ہیں۔ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے اتارا، اور ہم نے رسول کی پیروی کی۔ پس تو لکھ لے ہم کو گواہی دینے والوں میں۔ اور انھوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰ میں تم کو وفات دینے والا ہوں اور تم کو اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں اور جن لوگوں نے انکار کیا ہے ان سے تمھیں پاک کرنے والا ہوں اور جو تمھارے پیرو ہیں ان کو قیامت تک ان لوگوں پر غالب کرنے والا ہوں جنھوں نے تمھارا انکار کیا ہے۔ پھر میری طرف ہوگی سب کی واپسی۔ پس میں تمھارے درمیان ان چیزوں کے بارے میں فیصلہ کروں گا جن میں تم جھگڑتے تھے۔ پھر جو لوگ منکر ہوئے ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں اور آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کو اللہ ان کا پورا اجر دے گا اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ یہ ہم تم کو سناتے ہیں اپنی آیتیں اور پُر حکمت مضامین۔ بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے۔ اللہ نے اس کو مٹی سے بنایا۔ پھر اس کو کہا کہ ہوجا تو وہ ہوگیا۔ حق بات ہے تیرے رب کی طرف سے۔ پس تم نہ ہو شک کرنے والوں میں۔ پھر جو تم سے اس بارے میں حجت کرے بعد اس کے کہ تمھارے پاس علم آچکا ہے تو ان سے کہو کہ آؤ، ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمھارے بیٹوں کو، اپنی عورتوں کو اور تمھاری عورتوں کو۔ اور ہم اور تم خود بھی جمع ہوں۔ پھر ہم مل کر دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ بے شک یہ سچا بیان ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو اللہ مفسدوں کو جاننے والا ہے ۵۲-۶۳

بنی اسرائیل کے بڑوں نے حضرت مسیح کو ماننے سے انکار کر دیا۔ بڑوں کے ہاتھ میں ہر قسم کے وسائل ہوتے ہیں، مزید یہ کہ مذہب کی گدیوں پر قابض ہونے کی وجہ سے عوام کی نظر میں وہی مذہب کے نمائندے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ جس کو رد کر دیں وہ نہ صرف وسائل حیات سے محروم ہوجاتا ہے بلکہ حق کی خاطر سب کچھ کھونے کے بعد بھی لوگوں کی نظر میں بد دین ہی بنا رہتا ہے۔ ایسے وقت میں داعی حق کا ساتھ دینا انتہائی مشکل کام ہے۔ یہ شبہات اور مخالفتوں کی عمومی فضا میں اس کی صداقت پر گواہ بننا ہے۔ یہ حق کی جانب اس وقت کھڑا ہونا ہے جب کہ حق تنہا رہ گیا ہو۔

حق جب اپنی بے آمیز صورت میں اٹھتا ہے تو وہ تمام لوگ اپنے اوپر اس کی زد پڑتی ہوئی محسوس کرتے ہیں جو اپنی خلاف حق زندگی پر حق کا لیبل لگا کر لوگوں کے درمیان عزت کا مقام حاصل کیے ہوئے تھے۔ وہ داعی کو زیر کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ طرح طرح کے شوشے نکال کر عوام کو اس کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔ اور بالآخر طاقت کے ذریعہ اس کو مٹا دینے کا منصوبہ بناتے ہیں۔ مگر اللہ کی نصرت ہمیشہ داعی کے ساتھ ہوتی ہے، اس لئے کوئی مخالفت اس کی آواز کو دبانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ مخالفتوں کے علی الرغم وہ اپنے مشن کو مکمل کرتا ہے ——— جو لوگ دعوت حق کے مخالف بنیں وہ اللہ کی نظر میں مفسد ہیں۔ کیوں کہ وہ لوگوں کو جنت کی طرف جانے سے روکتے ہیں۔ اس سے بڑا کوئی فساد نہیں ہو سکتا کہ خدا کے بندوں کو خدا کی جنت کی طرف جانے سے روکا جائے۔

کہو اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان مسلّم ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ اس سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو، ہم فرماں بردار ہیں۔ اے اہل کتاب، تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو۔ حالاں کہ تورات اور انجیل تو اس کے بعد اتری ہیں۔ کیا تم اس کو نہیں سمجھتے۔ تم وہ لوگ ہو کہ تم اس بات کے بارے میں جھگڑے جس کا تمھیں کچھ علم تھا۔ اب تم ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں کوئی علم نہیں۔ اور اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی۔ بلکہ حنیف مسلم تھا اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔ لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کو ہے جنھوں نے اس کی پیروی کی اور یہ پیغمبر اور جو اس پر ایمان لائے۔ اور اللہ ایمان والوں کا ساتھی ہے۔ اہل کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ کسی طرح تم کو گمراہ کردے۔ حالاں کہ وہ نہیں گمراہ کرتے مگر خود اپنے آپ کو۔ مگر وہ اس کا احساس نہیں کرتے۔ اے اہل کتاب، اللہ کی نشانیوں کا کیوں انکار کرتے ہو حالاں کہ تم گواہ ہو۔ اے اہل کتاب، تم کیوں صحیح میں غلط کو ملاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو۔ حالاں کہ تم جانتے ہو ۶۴-۷۱

توحید نہ صرف پیغمبروں کی اصل تعلیم ہے بلکہ تورات اور انجیل کے موجودہ غیر مستند نسخوں میں بھی وہ ایک مسلّم حقیقت کے طور پر موجود ہے۔ اس مسلّمہ معیار پر جانچا جائے تو اسلام ہی کامل طور پر صحیح دین ثابت ہوتا ہے نہ کہ یہودیت اور نصرانیت۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے۔ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ کسی انسان کو وہ مقام نہ دیا جائے جو مالک کائنات کے لئے خاص ہے۔ یہ توحید اپنی خالص صورت میں صرف قرآن اور اسلام میں محفوظ ہے۔ دوسرے مذاہب نے نظری طور پر توحید کا اقرار کرتے ہوئے عملی طور پر وہ سب کچھ اختیار کرلیا جو توحید کے سراسر خلاف تھا۔ زبان سے خدا کو رب کہتے ہوئے انھوں نے اپنے نبیوں اور بزرگوں کو عملاً رب کا درجہ دے دیا۔

مکہ کے مشرکین اپنے مذہب کو ابراہیمی مذہب کہتے تھے۔ یہود و نصاریٰ بھی اپنی مذہبی تاریخ کو حضرت ابراہیم کے ساتھ جوڑتے تھے۔ ہر زمانہ کے لوگ اسی طرح اپنے نبیوں اور بزرگوں کے نام کو اپنی بدعات اور تحریفات کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں۔ زمانہ گزرنے کے بعد ان کا بنایا ہوا مذہب عوام کے ذہنوں پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ وہ اسی کو اصل مذہب سمجھنے لگتے ہیں۔ ان حالات میں جب سچے اور بے آمیز دین کی دعوت اٹھتی ہے تو اس کے مخالفین اس کو بے اعتبار ثابت کرنے کے لئے سب سے آسان طریقہ یہ سمجھتے ہیں کہ عوام میں یہ مشہور کردیں کہ وہ اسلاف کے دین کے خلاف ہے۔ وہ شخص جو "اسلاف" کے دین کا حقیقی نمائندہ ہوتا ہے اس کو خود اسلاف ہی کے نام پر رد کردیا جاتا ہے۔ یہ گویا حق کے اوپر باطل کا پردہ ڈالنا ہے۔ یعنی ایسی باتیں کہنا جو فی نفسہ بے حقیقت ہوں مگر عوام تجزیہ نہ کرسکنے کی وجہ سے اس کو درست سمجھ لیں اور حق سے دور ہوجائیں۔ "مسلم حنیف" وہ ہے جو توحید کے راستہ پر یکسو ہوکر چلے اور غیر حنیف وہ ہے جو دائیں بائیں کی پگڈنڈیوں پر مڑجائے۔ کوئی ایک ذیلی پہلو کو لے کر اتنا بڑھائے کہ اسی کو سب کچھ بنادے۔ کوئی دوسرے ذیلی پہلو کو لے کر اس پر اتنے تشریحی اضافے کرے کہ وہی ساری حقیقت نظر آنے لگے۔ لوگ دین کے ذیلی پہلوؤں کو کل دین سمجھ لیں اور توحید کی سیدھی شاہراہ کو چھوڑ کر ادھر ادھر کے راستوں میں دوڑنے لگیں۔

اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا کہ مسلمانوں پر جو چیز اتاری گئی ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس کا انکار کر دو، شاید کہ مسلمان بھی اس سے پھر جائیں۔ اور یقین نہ کرو مگر صرف اس کا جو چلے تمھارے دین پر۔ کہو ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے۔ اور یہ اسی کی دین ہے کہ کسی کو وہی کچھ دے دیا جائے جو تم کو دیا گیا تھا۔ یا وہ تم سے تمھارے رب کے یہاں حجت کریں۔ کہو بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، علم والا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے۔ اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔ اور اہل کتاب میں کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تم اس کے پاس امانت کا ڈھیر رکھو تو وہ اس کو تمھیں ادا کر دے۔ اور ان میں کوئی ایسا ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار امانت رکھ دو تو وہ تم کو ادا نہ کرے الا یہ کہ تم اس کے سر پر کھڑے ہو جاؤ۔ یہ اس سبب سے کہ وہ کہتے ہیں کہ غیر اہل کتاب کے بارے میں ہم پر کوئی الزام نہیں۔ اور وہ اللہ کے اوپر جھوٹ لگاتے ہیں حالاں کہ وہ جانتے ہیں۔ بلکہ جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ سے ڈرے تو بے شک اللہ ایسے متقیوں کو دوست رکھتا ہے ۷۲-۷۶

ایک گروہ جس میں انبیاء اور صلحاء پیدا ہوئے ہوں، جس کے درمیان عرصہ تک دین کا چرچا رہا ہے، اکثر وہ اس غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے کہ وہ اور حق دونوں ایک ہیں۔ وہ ہدایت کو ایک گروہی چیز سمجھ لیتا ہے نہ کہ اصولی چیز۔ یہود کا معاملہ یہی تھا۔ ان کا ذہن، تاریخی روایات کے اثر سے یہ بن گیا تھا کہ جو ہمارے گروہ میں ہے وہ ہدایت پر ہے اور جو ہمارے گروہ سے باہر ہے وہ ہدایت سے خالی ہے۔ جو لوگ حق کو اس طرح گروہی چیز سمجھ لیں وہ ایسی صداقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے جو ان کے گروہ کے باہر ظاہر ہوئی ہو۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ حق وہ ہے جو اللہ کی طرف سے آئے نہ کہ وہ جو کسی شخص یا گروہ کی طرف سے ملے۔ وہ اگرچہ دین خداوندی کا نام لیتے ہیں مگر ان کا دین حقیقۃً گروہ پرستی ہوتا ہے نہ کہ خدا پرستی۔ ان کا یہ مزاج ان کی آنکھ پر ایسا پردہ ڈال دیتا ہے کہ اپنے گروہ سے باہر کسی کا فضل و کمال انھیں دکھائی نہیں دیتا۔ کھلے کھلے دلائل سامنے آنے کے بعد بھی وہ اس کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ اپنے حلقہ سے باہر اٹھنے والی دعوتِ حق کے شدید مخالف بن جاتے ہیں — دوعملی کا طریقہ اختیار کر کے وہ اس کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بے بنیاد باتیں مشہور کر کے لوگوں کو اس کی صداقت کے بارے میں مشتبہ کرتے ہیں۔ شریعت خداوندی کے سراسر خلاف وہ اپنے لیے اس کو جائز کر لیتے ہیں کہ وہ اخلاق کے دو معیار بنائیں، ایک غیروں کے لیے، دوسرا اپنے گروہ کے لیے۔

کسی کو اپنے دین کی نمائندگی کے لیے قبول کرنا اللہ کی خصوصی رحمت ہے۔ اس کا فیصلہ گروہی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ یہ سعادت اس کو ملتی ہے جس کو اللہ اپنے علم کے مطابق پسند کرے۔ اور اللہ اس شخص کو پسند کرتا ہے جو اللہ کے ساتھ اپنے کو اس طرح وابستہ کرے کہ وہ اس کا نگراں بن جائے جس سے وہ ڈرے، وہ اس کا آقا بن جائے جس کے ساتھ کیے ہوئے عہد اطاعت کو وہ کبھی نظر انداز نہ کر سکے —— اللہ کے مقبول بندے وہ ہیں جو امانت کو پورا کرنے والے ہوں اور عہد کے پابند ہوں۔ ایسے ایسے ہی لوگوں پر اللہ کی رحمتیں اترتی ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ امانت کی ادائگی کے معاملہ میں بے پروا ہوں اور عہد کو پورا کرنے میں حساس نہ رہیں وہ اللہ کے یہاں بے قیمت ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کی رحمتوں اور نصرتوں سے دور کر دئے جاتے ہیں۔

جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا قیامت کے دن، اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی زبانوں کو کتاب میں موڑتے ہیں تاکہ تم اس کو کتاب میں سے سمجھو حالاں کہ وہ کتاب میں سے نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے حالاں کہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں۔ اور وہ جان کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ کسی انسان کا یہ کام نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور حکمت اور نبوت دے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم اللہ والے بنو، اس واسطے کہ تم دوسروں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور خود بھی اس کو پڑھتے ہو۔ اور نہ وہ تمھیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بناؤ۔ کیا وہ تمھیں کفر کا حکم دے گا، بعد اس کے کہ تم اسلام لا چکے ہو ۷۷ — ۸۰

ایک شخص جب ایمان لاتا ہے تو وہ اللہ سے اس بات کا عہد کرتا ہے کہ وہ اس کی فرماں برداری کرے گا اور بندوں کے درمیان زندگی گزارتے ہوئے ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کرے گا جو خدا کی شریعت کی طرف سے اس پر عائد ہوتی ہیں۔ یہ ایک پابند زندگی ہے جس کو عہد کی زندگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس زندگی پر قائم ہونے کے لئے نفس کی آزادیوں کو ختم کرنا پڑتا ہے۔ بار بار اپنے فائدوں اور مصلحتوں کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس لئے اس عہد کی زندگی کو وہی شخص نباہ سکتا ہے جو نفع نقصان سے بے نیاز ہو کر اس کو اختیار کرے۔ جس شخص کا حال یہ ہو کہ نفس پر چوٹ پڑے یا دنیا کا مفاد خطرہ میں نظر آئے تو وہ عہد خداوندی کو نظر انداز کر دے اور اپنے فائدوں اور مصلحتوں کی طرف جھک جائے، اس نے گویا آخرت کو دے کر دنیا خریدی۔ جب آخرت کے پہلو اور دنیا کے پہلو میں سے کسی ایک کو لینے کا سوال آیا تو اس نے دنیا کے پہلو کو ترجیح دی۔ جو شخص آخرت کو اتنی بے قیمت چیز سمجھ لے وہ آخرت میں اللہ کی عنایتوں کا حق دار کس طرح ہو سکتا ہے۔

جو لوگ آخرت کو اپنی دنیا کا سودا بنائیں وہ دین یا آخرت کے منکر نہیں ہو جاتے۔ بلکہ دین اور آخرت کے پورے اقرار کے ساتھ ایسا کرتے ہیں۔ پھر ان دو متضاد رویوں کو وہ کس طرح ایک دوسرے کے مطابق بناتے ہیں۔ اس کا ذریعہ تحریف ہے۔ یعنی آسمانی تعلیمات کو خود ساختہ معنی پہنانا۔ ایسے لوگ اپنی دنیا پرستانہ روش کو آخرت پسندی اور خدا پرستی ثابت کرنے کے لئے دینی تعلیمات کو اپنے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ کبھی خدا کے الفاظ کو بدل کر اور کبھی خدا کے الفاظ کی اپنے مفید مطلب تشریح کرکے۔ وہ اپنے آپ کو بدلنے کے بجائے کتاب الٰہی کو بدل دیتے ہیں تاکہ جو چیز کتاب الٰہی میں نہیں ہے اس کو عین کتاب الٰہی کی چیز بنا دیں، اپنی بے خدا زندگی کو با خدا زندگی ثابت کر دکھائیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بدترین جرم ہے کہ آدمی اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو اللہ نے نہ کہی ہو۔

کسی تعلیم کی صداقت کی سادہ اور یقینی پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملائے، لوگوں کے خوف و محبت کے جذبات کو بیدار کرکے اس کو اللہ کی طرف موڑ دے۔ اس کے برعکس جو تعلیم شخصیت پرستی یا درگاہ پرستی پیدا کرے، جو انسان کے نازک جذبات کا مرکز توجہ کسی غیر خدا کو بناتی ہو، اس کے متعلق سمجھنا چاہئے کہ وہ سراسر باطل ہے خواہ بظاہر اپنے اوپر اس نے حق کا لیبل کیوں نہ لگا رکھا ہو۔

اور جب اللہ نے پیغمبروں کا عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی، پھر تمھارے پاس پیغمبر آئے جو سچا ثابت کرے ان پیشین گوئیوں کو جو تمھارے پاس ہیں تو تم اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ اللہ نے کہا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا۔ انھوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں۔ فرمایا اب گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔ پس جو شخص پھر جائے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں۔ حالاں کہ اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے، خوشی سے یا ناخوشی سے اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہمارے اوپر اتارا گیا اور جو اتارا گیا ابراہیم پر اسمٰعیل پر اسحاق پر اور یعقوب پر اور اولاد یعقوب پر۔ اور جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں میں سے ہوگا۔ اللہ کیوں کر ایسے لوگوں کو ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد منکر ہو گئے۔ حالاں کہ وہ گواہی دے چکے کہ یہ رسول برحق ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں آچکی ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہوگی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو بے شک اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لانے کے بعد منکر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے رہے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔ بے شک جن لوگوں نے انکار کیا اور انکار کی حالت میں مر گئے، اگر وہ زمین بھر سونا بھی فدیہ میں دیں تو قبول نہ کیا جائے گا۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا　۹۱ - ۸۱

اللہ کو پانا ایک ابدی حقیقت کو پانا ہے، یہ پوری کائنات کا ہم سفر بننا ہے۔ جو لوگ اس طرح اللہ کو پالیں وہ ہر قسم کے تعصبات سے اوپر اٹھ جاتے ہیں۔ وہ حق کو ہر حال میں پہچان لیتے ہیں چاہے اس کا پیغام "اسرائیلی پیغمبر" کی زبان سے بلند ہو یا "اسماعیلی پیغمبر" کی زبان سے۔ مگر جو لوگ گروہ پرستی کی سطح پر جی رہے ہوں، حق ان کو حق کی صورت میں صرف اس وقت نظر آتا ہے جب کہ وہ ان کے اپنے گروہ کے کسی فرد کی طرف سے آئے۔ اللہ اگر ان کے گروہ سے باہر کسی شخص کو اپنے پیغام کی پیغام رسانی کے لئے اٹھائے تو ایسا پیغام ان کے ذہن کا جز نہیں بنتا۔ حتی کہ اس وقت بھی نہیں جب کہ ان کا دل اس کے حق وصداقت ہونے کی گواہی دے رہا ہو۔ ایسے لوگ خواہ اپنے کو ماننے والوں میں شمار کریں مگر اللہ کے یہاں ان کا نام نہ ماننے والوں میں لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ انھوں نے حق کو اپنے گروہ کی نسبت سے جانا نہ کہ اللہ کی نسبت سے۔ ایسے حق کا اقرار نہ کرنا جس کے حق ہونے پر آدمی کے دل نے گواہی دی ہو، اللہ کے نزدیک بدترین جرم ہے۔ ایسے لوگ آخرت میں اتنے ذلیل ہوں گے کہ اللہ اور اس کی تمام مخلوقات ان پر لعنت کریں گی۔

اپنے سے باہر ظاہر ہونے والے حق کا اعتراف نہ کرنا بظاہر اپنے ایمان کو بچانا ہے۔ مگر حقیقۃً یہ اپنے ایمان کو برباد کرنا ہے۔ اللہ کا مومن بندہ اللہ کے مسلسل فیضان پر جیتا ہے۔ پھر جو شخص اپنے کو خود پرستی اور گروہ پرستی کے خول میں بند کرلے اس کے اندر اللہ کا فیضان کس راستے سے داخل ہوگا۔ اور اللہ کے فیضان سے محرومی کے بعد وہ کیا چیز ہوگی جو اس کے ایمان کی پرورش کرے۔

تم ہرگز نیکی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے جب تک تم ان چیزوں میں سے نہ خرچ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو۔ اور جو چیز بھی تم خرچ کروگے اس سے اللہ باخبر ہے۔ سب کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حلال تھیں بجز اس کے جو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا قبل اس کے کہ تورات اترے۔ کہو کہ تورات لاؤ اور اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو۔ اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھیں وہی ظالم ہیں۔ کہو اللہ نے سچ کہا۔ اب ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جو حنیف تھا اور وہ شرک کرنے والا نہ تھا۔ بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہان کے لئے ہدایت کا مرکز۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، جو اس میں داخل ہوجائے وہ مامون ہے۔ اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی منکر ہوا تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ کہو اے اہل کتاب تم کیوں اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہو۔ حالاں کہ اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ کہو اے اہل کتاب تم ایمان لانے والوں کو اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو۔ تم اس میں عیب ڈھونڈتے ہو۔ حالاں کہ تم گواہ بنائے گئے ہو۔ اور اللہ تمھارے سے بے خبر نہیں ۹۲-۹۹

یہود کے علما رنے بطور خود جو فقہ بنا رکھی تھی اس میں اونٹ اور خرگوش کا گوشت کھانا حرام تھا جب کہ اسلام میں وہ جائز تھا۔ اب یہود یہ کہتے کہ اسلام اگر خدا کا اتارا ہوا دین ہے تو اس میں بھی حرام و حلال کے مسائل وہی کیوں نہیں جو پچھلے زمانہ میں اتارے ہوئے خدا کے دین میں تھے۔ اسی طرح وہ کہتے کہ بیت المقدس اب تک تمام انبیار کا قبلۂ عبادت رہا ہے۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا ایسا دین اتارے جس میں اس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا ہو۔

حق کی دعوت جب اپنی خالص شکل میں اٹھتی ہے تو ان لوگوں پر اس کی زد پڑنے لگتی ہے جو خدا کے دین کے نام پر اپنا ایک دین عوام میں رائج کئے ہوئے ہوں۔ ایسے لوگ اس کے مخالف ہوجاتے ہیں اور لوگوں کو دعوت حق سے پھیرنے کے لئے طرح طرح کے اعتراضات نکالتے ہیں۔ ان کے خود ساختہ دین میں اساسات دین پر زور باقی نہیں رہتا۔ اس کے بجائے جزئیاتِ دین میں موشگافیوں سے دین داری کا ایک ظاہری ڈھانچہ بن جاتا ہے۔ آدمی کی حقیقی زندگی کیسی ہی ہو، نیکی اور تقویٰ کا کمال یہ سمجھا جانے لگتا ہے کہ وہ اس ظاہری ڈھانچہ کا خوب اہتمام کرے۔ وہ "خرگوش" کو یہ کہہ کر نہ کھائے کہ ہمارے اکابر اس سے پرہیز کرتے تھے۔ دوسری طرف کتنی ہی حرام چیزوں کو اپنے لئے جائز کئے ہوئے ہو۔ وہ "بیت المقدس" کی طرف رخ کرنے میں قطب نما کی سوئی کی طرح سیدھا ہوجانا ضروری سمجھتا ہو۔ مگر صبح و شام کی سرگرمیوں کو خدا رخی بنانے سے اس کو دلچسپی نہ ہو۔ مگر نیکی کا درجہ کسی کو قربانی سے ملتا ہے نہ کہ سستی ظاہرداریوں سے۔ خدا کا نیک بندہ وہ ہے جو اپنی محبت کا ہدیہ اپنے رب کو پیش کرے، جس کے لئے اللہ کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز عزیز تر نہ رہے۔ حق کو ماننے کے لئے جب وقار کی قیمت دینی ہو، اللہ کے راستہ میں بڑھنے کے لئے جب مال خرچ کرنا ہو اور بچوں کے مستقبل کو خطرہ میں ڈالنا پڑے، اس وقت وہ اللہ کی خاطر سب کچھ گوارا کرلے۔ ایسے نازک مواقع پر جو شخص اپنی محبوب چیزوں کو دے کر اللہ کو لے لے وہی نیک اور خدا پرست بندہ۔

اے ایمان والو، اگر تم اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مان لوگے تو وہ تم کو ایمان کے بعد پھر منکر بنا دیں گے۔ اور تم کس طرح انکار کروگے حالاں کہ تم کو اللہ کی آیتیں سنائی جارہی ہیں اور تمھارے درمیان اس کا رسول موجود ہے۔ اور جو شخص اللہ کو مضبوطی سے پکڑے گا تو وہ پہنچ گیا سیدھی راہ پر۔ اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنا چاہئے۔ اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔ اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ پس تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تمھارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ پاؤ۔ اور ضرور ہے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو نیکی کی طرف بلائے، بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور باہم اختلاف کرلیا بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح احکام آچکے تھے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے کالے ہوں گے، تو جن کے چہرے کالے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہوگئے، تو اب چکھو عذاب اپنے کفر کے سبب سے۔ اور جن کے چہرے روشن ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو حق کے ساتھ سنا رہے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم نہیں چاہتا۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کے لئے ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے ۱۰۰-۱۰۹

دنیا آزمائش کی جگہ ہے۔ یہاں ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ شیطان آدمی کے ایمان کو اچک لے جائے اور فرشتے اس کی روح اس حال میں قبض کریں کہ وہ ایمان سے خالی ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ آدمی ہر وقت باہوش رہے، وہ اپنے آپ پر نگراں بن جائے۔ ایمان سے دور ہونے کی ایک صورت وہ ہے جب کہ دین کے اجزاء میں تبدیلی کرکے اہم کو غیر اہم اور غیر اہم کو اہم بنادیا جائے۔ دین کی اصل رسی تقویٰ ہے۔ یعنی اللہ سے ڈرنا اور مرتے دم تک اپنے ہر معاملہ میں وہی رویہ اختیار کرنا جو اللہ کے سامنے جواب دہی کے تصور سے بنتا ہو، یہی صراط مستقیم ہے۔ اس سے انحراف یہ ہے کہ "تقویٰ" کے بجائے کسی اور چیز کو مدار دین سمجھ لیا جائے اور اس پر اس طرح زور دیا جائے جس طرح خوف خدا اور فکر آخرت پر دیا جاتا ہے۔ جب بھی دین میں اس قسم کی تبدیلی کی جاتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملت کے درمیان اختلاف پڑ جاتا ہے۔ کوئی ایک ضمنی چیز پر زور دیتا ہے کوئی دوسری ضمنی چیز پر، اور اس طرح ملت فرقے فرقے میں بٹ کر رہ جاتی ہے۔ اول الذکر سے ایک اللہ توجہ کا مرکز بنتا ہے اور ثانی الذکر سے متفرق مسائل توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔ جب دین میں سارا زور و تاکید تقویٰ (اللہ سے ڈرنے) پر دیا جائے تو اس سے باہمی اتفاق وجود میں آتا ہے اور جب اس کے سوا دوسری چیزوں پر زور دیا جانے لگے تو اس سے باہمی اختلاف کی وہ برائی پیدا ہوتی ہے جو لوگوں کو جہنم کے کنارے پہنچا دیتی ہے ——— ملت کو صراط مستقیم پر رکھنے اور اس سے بھٹکنے سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ملت کے کچھ افراد مسلسل اس کے لئے سرگرم رہیں۔ وہی گروہ کامیاب ہے جس کے درمیان یہ نظام ہو اور جس کے افراد اس سے تعاون و اطاعت کرتے ہوئے اس کو برابر قائم رکھیں۔

اب تم بہترین گروہ ہو جس کو لوگوں کے واسطے نکالا گیا ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ ایمان والے ہیں اور ان میں اکثر نافرمان ہیں۔ وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے مگر کچھ ستانا۔ اور اگر وہ تم سے مقابلہ کریں گے تو تم کو پیٹھ دکھائیں گے۔ پھر ان کو مدد بھی نہ پہنچے گی۔ اور ان پر مسلط کر دی گئی ذلت خواہ وہ کہیں بھی پائے جائیں، سوا اس کے کہ اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہو اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان پر مسلط کر دی گئی پستی، یہ اس واسطے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے رہے اور انھوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا۔ یہ اس سبب سے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے نکل جاتے تھے۔ سب اہل کتاب یکساں نہیں۔ ان میں ایک گروہ عہد پر قائم ہے۔ وہ راتوں کو اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں۔ اور برائی سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں۔ یہ صالح لوگ ہیں جو نیکی بھی وہ کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے انکار کیا تو اللہ کے مقابلہ میں ان کے مال اور اولاد ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو اور وہ ان لوگوں کی کھیتی پر چلے جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے پھر وہ اس کو برباد کر دے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ۱۱۰ — ۱۱۷

یہود دین خداوندی کے حامل بنائے گئے تھے۔ مگر وہ اس کو لے کر کھڑے نہ ہو سکے اور اس کو محفوظ رکھنے میں بھی ناکام رہے۔ اس کے بعد اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنا دین اس کی صحیح صورت میں بھیجا۔ اب امت مسلمہ لوگوں کے درمیان خدا کی رہنمائی کے لئے کھڑی ہوئی ہے۔ اس منصب کا تقاضا ہے کہ یہ امت اللہ کی سچی مومن بنے۔ وہ دنیا کو بھلائی کی تلقین کرے اور ان چیزوں سے باخبر کرے جو اللہ کے نزدیک برائی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ کام چونکہ خدائی کام ہے اس لئے خدا نے اس کے ساتھ اپنا تحفظاتی نظام بھی شامل کر دیا ہے۔ جو لوگ اس کار خداوندی کے لئے اٹھیں گے ان کے لئے خدائی ضمانت ہے کہ ان کے مخالفین ان کو معمولی اذیتوں کے سوا کوئی حقیقی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ تاہم یہود کے انجام کی صورت میں اس کی بھی دائمی مثال قائم کر دی گئی کہ اس منصب حق پر سرفراز کئے جانے کے بعد جو لوگ بدعہدی کریں ان کی سزا اسی دنیا میں اس طرح شروع ہو جاتی ہے کہ ان کو ذاتی عزت و سرفرازی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ خدا کی رحمتوں سے محرومی کی وجہ سے ان کی بے حسی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ ان لوگوں کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں جو ان کی کوتاہیوں کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اٹھیں۔

مال و اولاد کی محبت آدمی کو قربانی والے دین پر آنے نہیں دیتی۔ البتہ نمائشی قسم کے اعمال کا مظاہرہ کر کے وہ سمجھتا ہے کہ وہ خدا کے دین پر قائم ہے۔ مگر جس طرح سخت ٹھنڈی ہوا اچانک پوری کھیتی کو برباد کر دیتی ہے اسی طرح قیامت کا طوفان ان کے نمائشی اعمال کو بے قیمت کر کے رکھ دے گا ——— یہود میں صرف چند لوگ تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ "امت قائمہ" کی حیثیت سے ان کا مستقل ذکر کرنا ظاہر کرتا ہے کہ چند آدمی اگر اللہ سے ڈرنے والے ہوں تو وہ بھیڑ کے مقابلہ میں اللہ کی نظر میں زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔

اے ایمان والو، اپنے غیر کو اپنا مازدار نہ بناؤ، وہ تمھیں نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ ان کو خوشی ہوتی ہے تم جس قدر تکلیف پاؤ۔ ان کی عداوت ان کی زبان سے نکل پڑتی ہے اور جو ان کے دلوں میں ہے وہ اس سے بھی سخت ہے، ہم نے تمھارے لئے نشانیاں کھول کر ظاہر کردی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ حالاں کہ تم سب آسمانی کتابوں کو مانتے ہو۔ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب آپس میں ملتے ہیں تو تم پر غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔ کہو تم اپنے غصہ میں مرجاؤ۔ بے شک اللہ دلوں کی بات کو جانتا ہے۔ اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کو رنج ہوتا ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرو تو ان کی کوئی تدبیر تم کو نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے ۱۱۸ - ۲۰

مسلمان اسی خدائی دین پر ایمان لائے تھے جو سابق اہل کتاب (یہود) کو اپنے نبیوں کے ذریعہ ملا تھا۔ دونوں کا دین اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے ایک تھا۔ مگر یہود مسلمانوں کے اس قدر دشمن ہوگئے کہ مسلمان اپنی ساری خصوصیات کے باوجود ان کے نزدیک ایک کلمۂ خیر کے بھی حق دار نہ تھے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کو اگر کوئی تکلیف پہنچ جاتی تو وہ دل ہی دل میں خوش ہوتے۔ گویا وہ ان کو انسانی ہمدردی کا مستحق بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود نے انبیاء بنی اسرائیل کی طرف منسوب کرکے ایک خود ساختہ دین بنا رکھا تھا اور اس کے بل پر عوام میں قیادت کا مقام حاصل کئے ہوئے تھے۔ خدا کے دین میں ساری توجہ خدا کی طرف رہتی ہے۔ جب کہ خود ساختہ دین میں لوگوں کی توجہ ان افراد کی طرف لگ جاتی ہے جو اس خود ساختہ دین کے خالق اور شارح ہوں۔ ایسے لوگ سچے دین کی دعوت کو کبھی گوارا نہیں کرتے۔ کیوں کہ ان کو نظر آتا ہے کہ وہ ان کو ان کے مقام عظمت سے ہٹا رہی ہے۔ جب ایسی صورت پیش آئے تو اللہ کے سچے بندوں کا کام یہ ہے کہ وہ منفی ردعمل سے بچیں اور مکمل طور پر صبر و تقویٰ پر قائم رہیں۔ صبر کا مطلب ہے ہر حال میں اپنے کو حق کا پابند رکھنا، اور تقویٰ یہ ہے کہ فیصلہ کن طاقت صرف اللہ کو سمجھا جائے نہ کہ کسی اور کو۔ مسلمان اگر اس قسم کے مثبت رویہ کا ثبوت دیں تو کسی کی دشمنی ان کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچائے گی خواہ وہ مقدار میں کتنی ہی زیادہ ہو۔ تاہم اس کے ساتھ مسلمانوں کو حقیقت پسند بھی بننا چاہئے۔ ان کو اپنے دوست اور دشمن کے درمیان تمیز کرنا چاہئے تاکہ کوئی ان کی صاف دلی کا ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔

مسلمانوں کے دل میں یہود کے لئے محبت ہونا اور یہود کے دل میں مسلمانوں کے لئے محبت نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ دونوں میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر۔ اللہ سراپا رحم اور عدل ہے۔ وہ تمام انسانوں کا خالق و مالک ہے اس لئے جو شخص حقیقی طور پر اللہ کو پالیتا ہے اس کا سینہ تمام خدا کے بندوں کے لئے کھل جاتا ہے۔ اس کے لئے تمام انسان یکساں طور پر اللہ کی عیال بن جاتے ہیں۔ وہ ہر ایک کے لئے وہی چاہنے لگتا ہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔ مگر جو لوگ اللہ کو حقیقی طور پر پائے ہوئے نہ ہوں، جنھوں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں نہ ملایا ہو وہ صرف اپنی ذات کی سطح پر جیتے ہیں۔ ان کا سرمایۂ حیات اپنے فائدے اور اپنے گروہی تعصبات ہوتے ہیں۔ ان کا یہ مزاج ان کو ایسے لوگوں کا دشمن بنا دیتا ہے جو ان کو اپنے مفاد کے خلاف نظر آئیں، جو ان کے اپنے گروہ میں شامل نہ ہوں۔ خدا کو مانتے ہوئے وہ بھول جاتے ہیں کہ یہ دنیا خدا کی دنیا ہے۔ یہاں کسی کی کوئی تدبیر اللہ کی مشیت کے بغیر مؤثر نہیں ہوسکتی۔

اللہ کی ایک سنت یہ بھی ہے

ایک دعوت سچے اسلام کی دعوت ہو اور آپ اس کا انکار کریں تو یہ انکار ہمیشہ جنت کی قیمت پر ہوتا ہے۔ ایسی ایک دعوت کا انکار کرکے آدمی دنیا میں اپنے کو وقتی رسوائی سے بچاتا ہے اور آخرت کی ابدی رسوائی کا خطرہ مول لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بہت مہنگا سودا ہے۔ اس لئے جب ایک اسلامی دعوت کے مقابلہ میں اپنے رویہ کا فیصلہ کرنا ہو تو آدمی کو بے حد سنجیدہ غور وفکر کے بعد اس کا فیصلہ کرنا چاہئے۔

اس سلسلہ میں ایک اور سنگین بات ہے جو آدمی کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ وہ اللہ کی سنت اشتباہ ہے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ رسول کے مخاطبین نے جب رسول کی دعوت کا انکار کیا تو انھوں نے کہا کہ خدا کو اگر اپنا پیغمبر بھیجنا تھا تو اس نے انسان کو کیوں ہمارے پاس بھیجا، فرشتہ کو کیوں نہ بھیجا۔ تاکہ ہم کو پہچاننے میں شبہ نہ ہوتا اور ہم اس کو خدا کا نمائندہ مان کر فوراً اس کے مومن بن جاتے۔ فرمایا کہ انسانی پیغمبر کے بجائے اگر ہم کوئی فرشتہ بھیجتے تو اس کو بھی فرشتہ کے طور پر نہ بھیجتے بلکہ انسان کی صورت میں بھیجتے۔ اور اس طرح دوبارہ ان کو اسی شبہ میں ڈال دیتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں (انعام ۹) چونکہ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے اس لئے یہاں لازماً حق پر التباس کا پردہ ڈال کر لوگوں کے سامنے لایا جاتا ہے۔ یہاں "خدا کے نمائندہ" کو بھی ایک عام انسان کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے لئے شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

یہی جانچ کا مقام ہے۔ اللہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کون ہے جو شبہ کے پردہ کو پھاڑ کر حق کو اس کی برہنہ صورت میں دیکھ لیتا ہے اور کون ہے جو شبہ میں اٹک کر رہ جاتا ہے۔ خدا کے منصوبہ کے مطابق انسان کو بہر حال اس امتحان میں کھڑا ہونا ہے کہ وہ ایک مخلوق کی صورت میں خالق کی تجلیات کو دیکھے۔ ایک انسان کی آواز میں خدا کی آواز کو سنے۔ دنیوی شان و شوکت سے خالی ایک دعوت میں آخرت کی شان وشوکت کی رونقیں پالے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اگر حق کا انکار کرنے کے لئے ایک "دلیل" ہاتھ آگئی ہو تو اس کو ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے رویہ کے حق میں ایک مضبوط بنیاد کو پاگیا ہے۔ عین ممکن ہے کہ وہ جس چیز کو دلیل سمجھ رہا ہے وہ محض ایک فریب ہو۔ اس کے ذہن نے شبہات سے متاثر ہو کر بطور خود ایک تصویر بنالی ہو۔ وہ اس کا ایک ذہنی سایہ ہو جس کو وہ حقیقت سمجھ بیٹھا ہو۔ "شبہ میں ڈالنے" کی سنت ہی کا یہ تقاضا ہے کہ حق اگر اپنی موافقت میں دلیلیں رکھتا ہو تو اسی کے ساتھ آدمی کو اس کی مخالفت میں بھی دلیلیں ہاتھ آجائیں۔ اگر ایسے پہلو پائے جاتے ہوں جو دعوت کو سچی دعوت ثابت کرتے ہوں تو اسی کے ساتھ یہ امکان بھی موجود ہو کہ کوئی شخص اس میں ایسے شوشے دریافت کرے جس کی بنیاد پر وہ اس کی گمراہی کا انکشاف کر سکے۔ قرآن میں ہے کہ "کون ہے جو اللہ کو قرض دے" اس کو دیکھ کر ایک شخص نے کہا — "خدا بھی محتاج ہوگیا ہے جو اس کو بندوں سے ادھار مانگنے کی ضرورت پڑی" اگر آدمی کا ذہن صحیح نہ ہو تو وہ خدا کی کتاب میں بھی احمقانہ اعتراضات تلاش کرسکتا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ قرآن میں "قرض" کے بجائے کوئی دوسری تعبیر اختیار کرنی چاہئے تھی تو یہ بے معنی بات ہوگی۔ کیوں کہ قرض کا لفظ اگر قرآن میں نہ ہوتا تو آدمی اپنے بے معنی اعتراضات کے لئے کوئی اور لفظ تلاش کرلیتا۔

سیاست کی دو قسمیں

سیاست دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک صبر کی سیاست، دوسری بے صبری کی سیاست۔ صبر کی سیاست وہ ہے جب کہ حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر اپنی اور حریف کی طاقت کا بے لاگ اندازہ کیا جائے۔ اس کے بعد خاموش منصوبہ کے تحت اپنی کمیوں کی تلافی کی جائے۔ اپنے کو طاقتور بنانے کی مسلسل جدوجہد کی جائے۔ اس وقت تک تصادم سے پرہیز کیا جائے جب تک حریف کے مقابلہ میں فیصلہ کن اقدام کی حیثیت حاصل نہ ہو جائے۔ اس کے برعکس بے صبری کی سیاست یہ ہے کہ مخالف حالات کو دیکھ کر آدمی بھڑک اٹھے اور مشتعل نفسیات کے تحت اپنے حریف سے ٹکرا جائے۔ بغیر اس کے کہ اس نے حریف کی نسبت سے اپنے کو تیار کرنے کی کوشش کی ہو۔

موجودہ زمانہ میں مسلم قوموں کی سیاست اس بے صبری کی نہایت عبرت ناک مثال ہے۔ ہر ملک میں یہ منظر دکھائی دیتا ہے کہ طاقت کی فراہمی سے پہلے محض خوش فہمیوں کے تحت اقدام کر دیا گیا اور اس کے فطری نتیجہ کے طور پر جب انجام اپنے خلاف نکلا تو ہمارے قائدین نے دوسری بے صبری یہ دکھائی کہ ناکامی کے اسباب کا بے لاگ جائزہ لینے کے بجائے فی الفور یہ اعلان کر دیا کہ فلاں سازش نے ان کے منصوبہ کو ناکام بنا دیا ورنہ اب تک وہ اسلام اور ملت اسلام کو عروج کے آسمان پر پہنچا چکے ہوتے (۱۸ اکتوبر ۱۹۷۹)

ھیرو بننے کا شوق

ٹی ایس الیٹ (۱۹۶۵ - ۱۸۸۸) نے کہا تھا کہ دنیا کی اکثر مصیبتیں ان لوگوں کی پیدا کی ہوئی ہیں جو اہم بننا چاہتے ہیں:

Most of the trouble in the world is caused
by people wanting to be important.

یہ بات آج مزید اضافہ کے ساتھ صحیح ہے۔ آج ہر نوجوان ہیرو بننا چاہتا ہے اور ہر آدمی اہم شخصیت بننے کے شوق میں مبتلا ہے۔ اس جنون نے خدا کی زمین کو فساد سے بھر دیا ہے۔ اس کے نقصانات اتنے زیادہ ہیں جن کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں بھی سب سے بری مثال وہ ہے جب کہ خدا کے دین کو لیڈری کا عنوان بنا دیا جائے۔

موجودہ زمانہ میں کسی چیز کو نمایاں کرنے کے بہت سے نئے طریقے رائج ہو گئے ہیں۔ ضرورت تھی کہ ان ذرائع کو خدا کی خدائی کے اعلان و اظہار میں استعمال کیا جائے۔ مگر لوگوں نے ان کو اپنی ذات کو نمایاں کرنے کا سستا نسخہ سمجھ لیا ہے۔ اخبارات و رسائل کی کثرت، جلسوں اور جلوسوں کی دھوم اور اس طرح کی دوسری سرگرمیاں جو حیرت انگیز تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہیں وہ ذاتی نمائش کے اسی بڑھے ہوئے شوق کا نتیجہ ہیں۔ لبید عرب کے ایک بڑے شاعر تھے۔ انھوں نے سورہ بقرہ پڑھی تو شاعری چھوڑ دی۔ اس سے پہلے وہ اپنی شاعری دوسروں کو سناتے تھے، اب قرآن دوسروں کو سنانے لگے۔ انھوں نے کہا: جب قرآن جیسا کلام آگیا تو اب مجھ کو شاعری کرنے کی کیا ضرورت۔ ایسے ہی لوگ اسلام کو زندہ کرتے ہیں۔ اور جب ہر آدمی کو صرف اپنی "شاعری" سنانے کا شوق ہو جائے تو اس کا انجام ملی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

ایک کل اور آنے والا ہے

میجر دھیان چند (۱۹۷۹ - ۱۹۰۶) ہاکی کھیلنے کے اتنے ماہر تھے کہ ان کو ہاکی کا جادوگر (Hockey Wizard) کہا جاتا تھا۔ وہ اوسط تعلیم یافتہ تھے اور فوج میں ایک سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہوئے تھے۔ مگر ہاکی میں اپنی غیر معمولی مہارت کی وجہ سے انھوں نے عالمی شہرت حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں انھوں نے برلن کے اولمپک میں جرمن ہاکی ٹیم کو شکست دی تو ہٹلر نے ان کو بلا کر پوچھا کہ "تم کیا ہو" دھیان چند نے کہا کہ ہندستانی فوج میں سپاہی ہوں۔ ہٹلر نے کہا: "اگر تم جرمن ہوتے تو آج میں تم کو میجر جنرل بنا دیتا" ۱۹۵۶ میں ان کو پدم بھوشن کا خطاب ملا۔ انھوں نے اپنی سوانح عمری لکھی ہے جس کا نام ہے گول (The Goal) موتیابند کی وجہ سے ان کی بینائی کمزور ہوگئی تھی۔ آخر عمر میں ان کو ذیابیطس اور جگر کا کینسر ہوگیا اور اسی میں ان کا ۳ دسمبر کو انتقال ہوگیا۔ ان کا کہنا تھا کہ تدبیر میں معمولی تبدیلی سے ہر کھیل جیتا جا سکتا ہے۔

E ry situation could be met with a slight change in tactics

وہ کہا کرتے تھے کہ کھلاڑی صرف کھلاڑی ہے۔ بڑھاپے کی عمر میں ان سے پوچھا گیا کہ نوجوان کھلاڑیوں کے لئے ان کا پیغام کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: بس یہ کہ وہ روز سے بہتر آج کھیلے اور آج سے بہتر کل کھیلے (ٹائمس آف انڈیا ۴ دسمبر ۱۹۷۹)

What else but to play better than yesterday and do even better tomorrow

میجر دھیان چند کو اگر معلوم ہوتا کہ ایک "کل" اور ہے جس کا سامنا کھیل کے میدان میں نہیں بلکہ قیامت کے میدان میں ہونے والا ہے تو ان کا مشورہ اپنے نوجوانوں کو شاید کچھ اور ہوتا۔

موت سے پہلے موت کو دیکھئے

پولیس کے اعداد و شمار کے مطابق دہلی کی سڑکوں پر ہر روز تقریباً دو آدمی حادثہ کا شکار ہو کر مرجاتے ہیں۔ ایک روز میں دہلی کی ایک سڑک پر گزر رہا تھا۔ ایک مقام پر غیر معمولی مجمع دیکھ کر ٹھہر گیا۔ دیکھا تو سڑک کے بیچ میں ایک لاش خون میں نہائی ہوئی پڑی تھی اور اس کے پاس ایک جوان عورت بدحواسی کے عالم میں آہ و ماتم کر رہی تھی۔ ایک طرف ایک اسکوٹر اوندھا ہو کر پڑا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ مرنے والا آدمی اپنے اسکوٹر پر جا رہا تھا۔ اس کی بیوی اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنے میں اسکوٹر ایک بس سے ٹکرا گیا۔ مرد بس کے نیچے آکر کچل گیا اور فوراً مر گیا۔ بیوی بچ گئی۔

اس طرح کے واقعات ہر روز ہوتے رہتے ہیں۔ لوگ ہر روز کسی نہ کسی کو مرتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر کیسی عجیب بات ہے کہ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ مجھ کو بھی مرنا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی اپنے آپ کو موت سے محفوظ و مامون سمجھے ہوئے ہے۔ اگر آدمی یہ سمجھ لے کہ اس کو بھی مرنا ہے تو وہ "موت سے پہلے مرجائے"۔ اس کی بدحواسی اس سے بھی زیادہ بڑھ جائے جتنی مذکورہ واقعہ میں عورت کی دکھائی دے رہی ہے (۲۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء)

موت کے بعد کا جہنم نظر نہیں آتا

مسٹر چرن سنگھ نے کہا: اگر کوئی جہنم ہے تو وہ بھارت ہے۔ کیوں کہ یہ صرف بھارت ہے جہاں بددیانت لیڈر ملک کو چلاتے ہیں — (ٹائمس آف انڈیا ۲۸ دسمبر ۱۹۷۹) جو لوگ موت کے بعد کے جہنم کو نہ دیکھیں وہ ہمیشہ موت سے پہلے کی زندگی کو جہنم بنا دیتے ہیں۔

شہد کی مکھیاں پالنا

قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ کرو (اعراف ۸۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے سوا بقیہ کائنات میں خدا نے جو نظام عمل قائم فرمایا ہے اسی کی پیروی تم بھی کرو۔ اس کے خلاف مت چلو۔ مثلاً شہد کی مکھیاں حد درجہ نظم اور تقسیم کار کے تحت اپنا عمل کرتی ہیں۔ وہ اپنا کام کرتے ہوئے بقیہ اجزار کائنات کے لئے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کرتیں۔ ان کی سرگرمیاں اس طرح جاری ہوتی ہیں کہ ایک مقصد حاصل کرتے ہوئے کئی دوسرے فوائد بھی حاصل ہو جائیں۔ فطرت کا یہی اصول انسان کو بھی اپنی زندگی میں اختیار کرنا چاہئے تاکہ خدا کے بنائے ہوئے نظام میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ خدا کا جو نظام صلاح بقیہ کائنات میں قائم ہے وہی نظام صلاح انسانی دنیا میں بھی قائم رہے۔

قدیم زمانہ میں کھیتی یا باغبانی کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ کھیت میں فصل بو دی جائے یا درخت لگا دئے جائیں۔ موجودہ زمانہ میں علم کے اضافہ نے اس میں بہت سی نئی چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک شہد کی مکھیاں پالنا بھی ہے۔ شہد کی مکھیاں جو مختلف پھولوں کا رس لے لے کر شہد بناتی ہیں، وہ اسی کے ساتھ ایک اور اہم کام انجام دیتی ہیں۔ یہ ہماری کھیتیوں اور باغوں کی زرخیزی میں اضافہ ہے۔ انسان اور حیوانات کی طرح نباتات میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان نر و مادہ کا اتصال پھولوں کے زیرہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اسی سے دانے اور پھل بنتے ہیں۔ نر پھول اور مادہ پھول اگر باہم نہ ملیں تو کوئی فصل تیار نہیں ہو سکتی۔ شہد کی مکھیاں اس قدرتی عمل میں خصوصی مدد کرتی ہیں۔

ہوا کے جھونکے سے جب شاخیں ہلتی ہیں یا نباتاتی کیڑے ان کے درمیان نقل و حرکت کرتے ہیں تو ان کے جسم یا پیروں سے لپٹ کر نر پھول کا زیرہ مادہ پھول تک پہنچتا ہے اور اس طرح ان میں ازدواجی اتصال قائم ہوتا رہتا ہے۔ مگر یہ کافی نہیں ہوتا۔ شہد کی مکھیاں اس عمل کی تکمیل کرتی ہیں۔ کیوں کہ وہ پھولوں کے اندر کا رس لینے کے لئے، جو اکثر قطرہ سے بھی بہت کم مقدار میں ہوتا ہے، ایک ایک پھول پر بیٹھتی ہیں اور ایک سے دوسرے تک جاتی رہتی ہیں۔ اس عمل کے دوران وہ ایک کا زیرہ دوسرے تک پہنچاتی رہتی ہیں۔ اس لئے شہد کی مکھی پالنا صرف شہد حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ وہ فصلوں کو زیادہ زرخیز بنانے کا بھی خصوصی ذریعہ ہے۔ ایک ماہر زراعت نے کہا ہے:

> In the modern context, the beekeeping industry has to be viewed as an integral part of agricultural development

جدید حالات میں، شہد کی مکھیاں پالنے کی صنعت کو زراعتی ترقی کا لازمی حصہ سمجھنا چاہئے (ٹائمس آف انڈیا، اکتوبر ۱۹۷۹)

امریکہ اور روس کے ماہرین نے اندازہ کیا ہے کہ شہد کی مکھیاں پالنے سے جو شہد اور موم حاصل ہوتا ہے اس کی مالیت سے دس گنا زیادہ فائدہ وہ ہے جو ان کے ذریعہ کھیتوں اور باغوں میں فصل کے اضافہ سے حاصل ہوتا ہے۔

شہد کی مکھیاں جس طرح اپنا پیچیدہ کام کرتی ہیں وہ دنیا کی تمام سلطنتوں سے زیادہ کامیاب قسم کا نظام سلطنت ہے۔ تاہم ایک انسان کے لئے شہد کی مکھیاں پالنا انتہائی آسان کام ہے۔ شہد کی مکھیاں فطری طور پر اپنے کارکردگی کے نظام کی حد درجہ پابند ہوتی ہیں۔ ان کی سردار ایک ملکہ ہوتی ہے جس کے گرد ان کی تمام سرگرمیاں جاری ہوتی ہیں۔ انڈے دینے کا کام یہی ملکہ کرتی ہے۔ ایک ملکہ روزانہ تقریباً ایک ہزار انڈے دیتی ہے۔ نر مکھیوں کا کام چھتے کا انتظام اور حفاظت ہے اور مادہ مکھیوں کا کام پھولوں کا رس لاکر شہد بنانا ہے۔ صبح سے شام تک لگاتار یہ عمل جاری رہتا ہے۔ ایک چھتہ میں تقریباً ۱۰ ہزار مکھیاں ہوتی ہیں۔ شہد کی مکھیوں کا بکس گویا قدرت کے اسی نظام کو اپنے لئے استعمال کرنا ہے۔ خاص طرح کا بکس جس میں تقریباً ایک درجن چھتے بنانے کا انتظام ہوتا ہے، جتنی تعداد میں چاہے حاصل کر لیجئے۔ اور ان میں ملکہ اور مکھیاں لاکر رکھ دیجئے۔ یہ سب چیزیں حکومت کی طرف سے فراہم کی جاتی ہیں۔ بس اس کے بعد بقیہ کام مکھیاں خود بخود شروع کر دیں گی۔ ایک بکس کے ذریعہ سال میں تین سے پانچ کیلوگرام تک شہد حاصل ہوتا ہے۔ شہد کتنی قیمتی چیز ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک کیلوگرام شہد کی غذائی قیمت بارہ کیلوگرام سیب یا ۲۰ کیلوگرام گاجر کے برابر ہے۔

شہد کی مکھیوں کا نظام اتنا حیرت انگیز ہے اور اس کے اتنے زیادہ پہلو ہیں کہ اس پر موٹی موٹی کتابیں لکھی گئی ہیں اور اب بھی ان کی حیرت انگیز کارکردگی کے بارے میں تحقیقات جاری ہیں۔ مثلاً تحقیق کے دوران یہ معلوم ہوا ہے کہ شہد کی مکھیاں شہد جمع کرنے کا کام صرف دن میں کر سکتی ہیں۔ روشنی کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی منزل کا رخ سورج کے زاویہ سے مقرر کرتی ہیں۔ صبح بالکل سویرے سے شہد کی مکھیوں کی اڑان شروع ہو جاتی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ پھیرا ممکن ہو سکے۔ کچھ مکھیاں پھولوں کا رس نکال کر لاتی ہیں اور کچھ صرف رہبری کا کام انجام دیتی ہیں۔ رہبر مکھیوں کا کام صرف یہ ہے کہ وہ لمبی اڑانیں بھر کر یہ معلوم کریں کہ شہد حاصل کرنے کے لئے پھول کہاں کہاں مل سکتے ہیں۔ وہ پتہ کرنے کے بعد دوسری مکھیوں کو وہاں پہنچنے میں رہنمائی کرتی ہیں۔

صبح کے وقت جتنے کم اجالے میں شہد کی مکھیوں کا سفر شروع ہوتا ہے، اگر شام کا آخری پھیرا بھی اتنا اجالا رہنے پر شروع کیا جائے تو کئی میل کے سفر کے بعد مکھی جب شہد لے کر اپنے چھتہ کی طرف لوٹے گی تو اندھیرا ہو چکا ہوگا اور اس کے لئے چھتہ تک پہنچنا ناممکن ہو جائے گا۔ چنانچہ شہد کی مکھی صبح کو سفر کا آغاز کسی قدر اندھیرے میں کر دیتی ہے۔ مگر شام کو جب لوٹنا ہوتا ہے تو کافی اجالا رہتے ہوئے آخری واپسی کا سفر شروع کرتی ہے تاکہ اجالے اجالے میں وہ اپنے چھتہ تک پہنچ جائے ـــــــ یہ خدا کا نظام اصلاح ہے جو کائنات میں قائم ہے۔ انسان کو بھی اپنے معاملات میں اس کی پیروی کرنا ہے ورنہ وہ خدا کے یہاں مفسد قرار پائے گا۔

محمدؐ

(انگریزی سے ترجمہ)

محمدؐ کی شخصیت کے بارے میں مکمل صداقت کو جاننا بہت ہی مشکل ہے۔ میں تو صرف اس کی بعض جھلکیوں کو پاسکتا ہوں۔ کتنے خوبصورت مناظر یکے بعد دیگرے ڈرامائی طور پر سامنے آتے رہتے ہیں ——— محمدؐ پیغمبر، محمدؐ جنرل، محمدؐ حکمراں، محمدؐ غازی، محمدؐ تاجر، محمدؐ مبلغ، محمدؐ فلسفی، محمدؐ سیاست داں، محمدؐ خطیب، محمدؐ مصلح، محمدؐ یتیموں کا ملجا، غلامی کا حامی، محمدؐ جج، محمدؐ پیشوا۔ ان تمام خوبصورت ادوار میں، انسانی اعمال کے ان تمام دائروں میں آپؐ ایک ہیرو معلوم ہوتے ہیں۔

یتیمی کی حالت بے چارگی کی آخری انتہا ہے اور اس دنیا میں آپ کی زندگی اسی انتہا سے شروع ہوئی ——— حکمرانی مادی طاقت کی انتہا ہے، اور اس دنیا میں آپ کی زندگی اسی پر ختم ہوئی۔

ایک یتیم بچے اور مظلوم مہاجر سے ابتدا کرکے آپ ایک پوری قوم کے روحانی اور مادی حاکم اعلیٰ اور اس کی تقدیر کے مالک بن گئے۔ اس عمل کے دوران پیش آنے والے امتحانات و ترغیبات، مشکلات و تغیرات، روشنیاں اور سائے، اونچ نیچ، دہشت اور عظمت کے دوران وہ دنیا کے امتحان میں کامیاب ہوکر زندگی کے ہر میدان میں ایک نمونہ بن کر ظاہر ہوئے۔ ان کی کامیابیاں زندگی کے کسی ایک میدان سے متعلق نہیں بلکہ انسانی زندگی کے تمام احوال پر حاوی ہیں۔

مثال کے طور پر عظمت اگر یہ ہے کہ بربریت اور مکمل اخلاقی تاریکی میں پڑی ہوئی قوم کو پاک کیا جائے تو جس نے اس پوری قوم کی کایا پلٹ دی، اس گری ہوئی قوم کو اتنا اونچا اٹھا دیا کہ وہ تہذیب و معرفت کی روشنی کی حامل بن گئی، اس عظیم شخصیت کو عظمت کا دعویٰ کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ اگر عظمت یہ ہے کہ کسی سوسائٹی کے متنوع عناصر کو آپس میں بھائی چارگی اور خیر خواہی کے روابط میں جوڑ دیا جائے تو صحرا میں ہونے والے نبی کو عظمت کے امتیاز کا پورا حق حاصل ہے۔ اگر عظمت ذلیل کن توہمات اور ہر قسم کی مہلک عادتوں میں مبتلا قوم کی اصلاح کرنا ہے، تو پیغمبر اسلام نے لاکھوں آدمیوں کے دل سے توہمات اور غیر معقول خوف کو نکال باہر کیا۔ اگر عظمت بلند اخلاق کا مظاہرہ ہے، تو محمدؐ کے دوستوں، دشمنوں سبھی نے ان کو "الامین" اور "الصادق" کا لقب دیا تھا۔ اگر فاتح عظیم ہوتا ہے، تو محمدؐ بھی ایک مجبور یتیم اور عام انسان کی زندگی سے بلند ہوکر جزیرۂ عرب کے حاکم بن گئے جو کہ خسرو اور قیصر کا ہم پلہ منصب تھا۔ محمدؐ وہ تھے جنھوں نے ایک عظیم سلطنت قائم کی جو کہ ان گزری ہوئی چودہ صدیوں میں بھی برقرار ہے۔ اگر لیڈر کے لئے اس کے تابعین کا احترام اس کی عظمت کا معیار ہے تو پیغمبر کا نام آج بھی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کروڑوں لوگوں کے لئے جادو کی حیثیت رکھتا ہے۔

انھوں نے ایتھنز، روم، فارس، ہندوستان یا چین میں فلسفہ کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی۔ لیکن انھوں

نے انسانیت کو لافانی حیثیت کے حامل عظیم ترین حقائق سے باخبر کیا۔ محمدؐ خود تو اَن پڑھ تھے، لیکن وہ اتنی فصاحت اور جوش سے بولتے تھے کہ لوگ بے اختیار رو پڑتے تھے۔ اگرچہ محمد یتیم اور دنیا کی دولتوں سے محروم پیدا ہوئے تھے، لیکن پھر بھی سب ان سے محبت کرتے تھے۔ انھوں نے کسی فوجی کالج میں تعلیم نہیں حاصل کی تھی، لیکن پھر بھی بڑی بڑی مشکلات پر قابو پا کر انھوں نے اپنی فوجوں کو منظم کیا اور اپنی ماہرانہ اخلاقی قوتوں کے بل پر جنگیں جیت لیں۔ خوبیوں سے بھرپور ایسے لوگ بہت نادر ہیں جن میں دوسروں کو بھی دعوت دینے کا ملکہ ہو۔ ڈیکارٹ نے کہا ہے کہ مکمل داعی دنیا کی سب سے نادر مخلوقات میں سے ایک ہے۔ ہٹلر نے بھی اپنی سوانح عمری "میری جدوجہد" میں اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے: ایک عظیم نظریہ ساز شاذ و نادر ہی ایک عظیم قائد ہوتا ہے۔ احتجاجی لیڈر ان خوبیوں کا اور بھی کم حامل ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایسا آدمی بہتر لیڈر ہو کیوں کہ قیادت کے لئے عوام کو حرکت میں لانے کی خصوصیت ضروری ہے۔ افکار پیدا کرنے کی صلاحیت، قائدانہ صلاحیت کے ساتھ کوئی قدر مشترک نہیں رکھتی۔ پیغمبر اسلام کی ذات میں دنیا نے اس نادر ترین منظر کو بھی حقیقی وجود کی صورت میں دیکھ لیا۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات وہ ہے جس کا اظہار پروفیسر باسورتھ اسمتھ نے کیا ہے: "وہ ریاست اور چرچ (دینی تنظیم) دونوں کے سربراہ تھے، وہ ایک ساتھ پوپ اور قیصر دونوں تھے۔ لیکن وہ ایسے پوپ تھے، جو پوپ کے دعووں سے خالی تھا۔ وہ ایسے قیصر تھے جو قیصر کی فوجوں کے بغیر تھا۔ ان کے پاس ہر وقت تیار کھڑی رہنے والی فوج تھی، نہ ذاتی حفاظتی کارکن نہ ہی محل، نہ ہی کوئی مقررہ ٹیکس کی آمدنی۔ اگر کسی کو کبھی یہ دعویٰ کرنے کا حق ہو کہ اس نے خدائی حق کے ذریعہ حکومت کی ہے، تو وہ محمد ہی ہوں گے، کیوں کہ ان کے پاس تمام اختیارات تھے، لیکن ان تمام ذرائع و وسائل کے بغیر جن سے وہ اختیارات حاصل کئے جاتے ہیں اور باقی رکھے جاتے ہیں انھوں نے طاقت کے نمائش اور رکھ رکھاؤ کا کبھی خیال نہیں کیا۔ ان کی نجی زندگی کی سادگی ویسی ہی تھی جیسی ان کی عام زندگی۔"

مکہ فتح ہونے کے بعد ایک ملین مربع میل سے زیادہ زمین ان کے قدموں کے نیچے آگئی۔ پورے جزیرۂ عرب کا حکمراں ہونے کے باوجود وہ اپنے جوتے اور کھردرے اونی کپڑے خود ٹھیک کرتے تھے۔ بکریوں کو دوہتے تھے۔ زمین کو جھاڑو دیتے تھے۔ آگ جلاتے تھے اور خاندان کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے تھے۔ مدینہ کا پورا شہر، جہاں آپ رہتے تھے، آپ کے آخری دنوں میں بہت مال دار ہو گیا تھا۔ ہر جگہ وہاں سیم و زر کی فراوانی تھی۔ لیکن خوش حالی کے ان دنوں میں بھی کئی کئی ہفتے اس طرح گزرتے تھے کہ جزیرۂ عرب کے حکمراں کے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ان کا سارا کھانا ان دنوں میں پانی اور کھجور ہوتی تھی۔ پورا خاندان بہت سی راتوں کو بھوکا سوتا تھا کیوں کہ شام کو انھیں کھانے کو کچھ بھی میسر نہ ہو سکا تھا۔ ایک لمبے مشغول دن کے بعد وہ کسی نرم بستر پر نہیں سوتے تھے، بلکہ کھجور کے پتے کی بنی ہوئی چٹائی پر۔ راتوں کو وہ اکثر رو رو کر اپنے خالق سے دعا کرتے تھے کہ انھیں اپنے مشن کو پورا کرنے کی طاقت عطا فرمائے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ ان کی آواز رونے کی وجہ سے ایسی ہو جاتی تھی جیسے کہ کوئی پتیلی آگ پر ہو اور اس کا ابلنا شروع ہو گیا ہو۔ ان کی موت کے دن ان کا سارا اثاثہ چند سکے تھے، جس کا کچھ حصہ قرضہ ادا کرنے کے لئے دے دیا گیا اور باقی ایک غریب کو دے دیا گیا جو ان کے گھر خیرات مانگنے آیا تھا۔ جس کپڑے

میں ان کی زندگی تمام ہوئی اس میں بہت سے پیوند لگے ہوئے تھے۔ وہ گھر، جس سے ساری دنیا میں روشنی پھیلی، تاریک تھا کیوں کہ اس کے پاس دیا جلانے کے لئے تیل نہیں تھا۔ حالات بدل گئے، لیکن اللہ کے پیغمبر نہیں بدلے۔ جیت میں اور ہار میں، حکمرانی میں یا بدحالی میں، فراوانی میں یا محتاجی میں وہ ایک ہی آدمی تھے۔ ہر حال میں ان کا سلوک ایک ہی تھا۔ جس طرح اللہ پاک کے طریقے اور قوانین ایک ہیں اسی طرح سے اللہ کے انبیاء بھی بدلنے والے نہیں ہوتے۔

۵

ایک ضرب المثل میں کہا گیا ہے کہ امانت دار آدمی اللہ کی بہترین مخلوق ہے۔ محمدؐ امانت دار سے بھی کچھ زیادہ تھے ان کے پور پور میں انسانیت رچی بسی ہوئی تھی۔ انسانی ہمدردی، انسان دوستی ان کی روح کی موسیقی تھی۔ ان کا مشن ہی یہ تھا کہ انسان کی خدمت کی جائے۔ انسان کو بلند کیا جائے، پاک کیا جائے، تعلیم دی جائے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کو انسان بنایا جائے۔ یہی ان کی زندگی کا سارا مدعا تھا۔ ان کے خیالات، الفاظ اور اعمال سب کا مقصد انسانیت کی بہتری تھی۔

دکھاوا ان میں بالکل نہیں تھا اور وہ انتہائی حد تک بے غرض تھے۔ انھوں نے اپنے لئے کون سے ٹائیٹل چنے ؟ صرف دو : اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔ پہلے بندہ پھر رسول۔ وہؐ اسی طرح پیغمبر تھے، جس طرح دوسرے بہت سے پیغمبر تھے جو دنیا کے مختلف حصوں میں آ چکے ہیں، جن میں بعضوں کو ہم جانتے تھے اور بعض دوسرے ہمارے لئے نامعلوم ہیں۔ اگر کوئی ان حقائق پر ایمان نہیں رکھتا ہے تو وہ مسلم نہیں باقی رہتا۔ اس بات پر ایمان ہر مسلم کے عقیدہ کا جزء ہے۔ ایک یورپین مؤلف نے لکھا ہے: "ان کے زمانے کے حالات اور ان کے پیروؤں کا آپ پر انتہائی حد تک اعتقاد کو دیکھتے ہوئے سب سے بڑی معجزانہ بات یہ ہے کہ محمدؐ نے کبھی معجزات پر قادر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا"۔ محمدؐ سے معجزے بھی ہوئے، لیکن ان کا مقصد اپنے دین کا پروپیگنڈہ کرنا نہ تھا بلکہ انھوں نے ان معجزات کو صرف اللہ سے اور اللہ کے فہم و ادراک سے بالاطریقۂ کار سے منسوب کیا۔ وہ صاف کہتے تھے کہ دوسروں کی طرح وہ بھی ایک عام آدمی ہیں۔ وہ زمین و آسمان کے خزانوں کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کرتے تھے، نہ ہی وہ غیب کو جاننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ سب اس وقت ہوا جب معجزات کو عام بات سمجھا جاتا تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ کوئی بھی مقدس شخص چٹکیوں میں معجزات لا سکتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جزیرۂ عرب کے اندر اور باہر ہر جگہ مافوق الفطرت عقائد کی حکمرانی تھی۔ انھوں نے اپنے پیروؤں کی توجہ فطرت اور فطری قوانین پر غور کرنے کے لئے دلائی، تاکہ وہ اللہ کی عظمت کو صحیح طرح سے سمجھ سکیں۔ قرآن کا کہنا ہے: "آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ہم نے کھیل کے طور پر نہیں بنایا۔ ان کو ہم نے برحق پیدا کیا ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے" (دخان ۳۹-۳۸)

دنیا کوئی واہمہ نہیں ہے، نہ ہی دنیا بلا مقصد پیدا کی گئی ہے۔ دنیا برحق پیدا کی گئی ہے۔ قرآن کی وہ آیات جو فطرت کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتی ہیں وہ نماز، روزہ، حج وغیرہ کے بارے میں حکم دینے والی آیات کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہیں۔ قرآن کے اثر کے تحت مسلمانوں نے فطرت کا عمیق مطالعہ شروع کیا، اور اسی وجہ سے سائنسی مطالعہ اور تجربہ کا وہ مزاج پیدا ہوا جو کہ یونانیوں کے یہاں معدوم تھا۔ جبکہ مسلم ماہر نباتات ابن بیطار نے (علم نباتات) پر ساری دنیا کے پودے جمع کر کے ایک ایسی کتاب لکھی جس کو میئر (Mayer) نے اپنی کتاب (Gesch der Botanika) میں "محنت کا مینار" بتایا ہے،

جب کہ البیرونی نے چالیس سال تک سفر کر کے معدنیات کے نمونے حاصل کئے، جبکہ مسلم علمائے فلکیات بارہ بارہ سال سے زیادہ کے مطالعہ کو مدوّن کر رہے تھے، ارسطو نے فزکس پر بغیر ایک بھی تجربہ کئے ہوئے قلم اٹھایا، طبعی تاریخ پر اس نے اتنی لاپروائی سے لکھا کہ اس نے اس بات کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ "انسان کے دانت جانور سے زیادہ ہوتے ہیں" کا دعویٰ کرنے سے پہلے اس کی تصدیق بھی کر لیتا جو کہ کتنا آسان کام تھا۔ جالینوس نے، جس کو قدیم علم تشریح کا سب سے بڑا استاد سمجھا جاتا ہے، لکھا ہے کہ نچلا جبڑا دو ہڈیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس بات کو صدیوں تک تسلیم کیا جاتا رہا یہاں تک کہ عبداللطیف نے انسانی ڈھانچہ کا مطالعہ کیا۔ اس قسم کے بہت سے واقعات بیان کرنے کے بعد رابرٹ بریفالٹ نے (The Making of History) میں لکھا ہے: "ہماری سائنس عربوں کی صرف اس حد تک مقروض نہیں ہے کہ انھوں نے حیرت انگیز دریافتیں کیں یا انقلابی نظریات کی بنیاد ڈالی۔ ہماری سائنس عرب تہذیب کی اس سے کہیں زیادہ مقروض ہے: وہ خود اپنے وجود کے لئے عرب تہذیب کی مقروض ہے" اسی مؤلف نے مزید لکھا ہے: "یونانیوں نے نظاموں کی بنیاد رکھی، عمومیات کا رواج نظریات بنائے، لیکن تلاش کے صبر آزما طریقے، ایجابی معلومات کا جمع ہونا، سائنس کے دقیق طریقے، مفصل اور طویل بربات، تجرباتی مطالعہ — یہ سب چیزیں یونانی مزاج کے لئے اجنبی تھیں۔ جس چیز کو ہم یورپ میں سائنس کہتے ہیں، وہ تلاش کے نئے طریقوں، تجربات، مطالعہ، وزن کرنے اور ریاضیات کی ترقی کی وجہ سے وجود میں آئی ہے اور یہ طور و طریقے یونانیوں کو معلوم نہ تھے۔ ... عربوں نے اس مزاج اور طور طریقوں کو یورپ میں روشناس کرایا۔"

۶

پیغمبر محمدؐ کی تعلیمات کی عملی نوعیت نے ہی سائنسی اسپرٹ کو جنم دیا۔ ان کی تعلیمات نے روزمرہ کی محنت اور دنیاوی امور کو احترام و تقدس عطا کیا۔ قرآن کا کہنا ہے کہ اللہ نے انسان کو عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ لیکن یہاں عبادت کا اپنا خاص مفہوم ہے۔ اسلام میں اللہ کی عبادت صرف نماز تک محدود نہیں ہے، بلکہ ہر وہ کام جو اللہ کی خوشنودی اور انسانیت کی بھلائی کے لئے کیا جائے وہ بھی عبادت ہی کا جزء ہے۔ زندگی کے تمام معاملات اسلام کی نظر میں تقدس کے حامل ہیں بشرطیکہ ان کو امانت داری، انصاف اور خالص نیت سے کیا جائے۔ اسلام نے "دینی" اور "غیر دینی" معاملات کی حد بندی کا خاتمہ کر دیا۔ قرآن کا کہنا ہے کہ اگر تم پاک و طاہر غذا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرو تو یہ بھی ایک عبادت ہے۔ پیغمبر اسلام کا کہنا ہے کہ اپنی بیوی کے منھ میں لقمہ رکھنا بھی ایک نیکی ہے جس کا بدلہ اللہ عطا کریں گے۔ پیغمبر کے ایک قول میں آیا ہے کہ "اگر کوئی اپنی دل کی خواہش کو بھی پورا کرے تو اللہ پاک اس کو اجر دے گا بشرطیکہ اس کو حاصل کرنے کے طریقے جائز رہے ہوں۔" یہ سن کر ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول ایسا کر کے وہ انسان صرف اپنے دل کی خواہش کو پورا کر رہا ہے۔ پیغمبر نے فوراً جواب دیا: "اگر وہ اپنی خواہش پورا کرنے کے لئے کوئی غلط طریقہ اپناتا تو اس کو سزا ملتی۔ تو صحیح طریقہ اپنانے کی وجہ سے اسے انعام کیوں نہیں ملے گا۔"

دین کو پوری طرح سے زندگی کو بہتر بنانے کے لئے وقف ہونا چاہئے نہ کہ وہ صرف چند دنیوی زندگی سے ماورا امور سے متعلق ہو۔ دین کے اس نئے تصور نے نئی اخلاقی قدروں کو جنم دیا۔ (کے۔ ایس۔ راما کرشنا راؤ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سمندر میں برف کے بہت بڑے بڑے تودے ہوتے ہیں جن کو آئس برگ کہا جاتا ہے۔ ان برفانی پہاڑوں کا دس میں سے نو حصہ پانی میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اور صرف ایک حصہ پانی کے اوپر دکھائی دیتا ہے۔ ایسی ہی کچھ مثال انسانی زندگی کی ہے۔ انسان کو اس کے پیدا کرنے والے نے دائمی مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا ہے۔ اور پھر اس کی زندگی کے نہایت مختصر حصہ —— تقریباً سو سال —— کو موجودہ دنیا میں رکھ کر بقیہ تمام عمر کو آخرت کی دنیا میں ڈال دیا۔ موت وہ دروازہ ہے جس سے ہم اپنی موجودہ مدت حیات پوری کرنے کے بعد، دوسری دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں۔

یہ انسانی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ انسان کی کامیابی کی واحد صورت یہ ہے کہ وہ آخرت رخی زندگی (AKHIRAT ORIENTED LIFE) کو اپنی زندگی بنائے۔ اس صورت حال کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے وسائل اور اپنی سرگرمیوں کو اس طرح منظم کرے جو اس کی زندگی کے اگلے مرحلے کو بہتر بنانے والا ہو۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس کے تمام کارنامے اسی دنیا میں رہ جائیں گے اور موت کے بعد دوسری دنیا میں وہ اس حال میں پہنچے گا کہ آخرت کی طویل تر زندگی میں اپنی جگہ بنانے کے لیے اس کے پاس کچھ نہ ہوگا۔

یہی وہ نازک مسئلہ ہے جس سے انسان کو باخبر کرنے کے لیے خدا نے پیغمبروں کا سلسلہ جاری کیا۔ ہر دور میں خدا کے نمائندے آئے اور آسمانی کتابیں اتاری گئیں تاکہ موت کے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے انسان کو بتا دیا جائے کہ اس کو بالآخر کہاں جانا ہے۔ اور اپنی مستقل کامیابی کے لئے اسے کیا کرنا چاہئے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ تاہم جہاں تک پیغمبرانہ کام کا تعلق ہے، اس کی ضرورت بدستور باقی ہے۔ آج بھی یہ مطلوب ہے کہ خدا کے بندوں کو اس اہم ترین حقیقت سے باخبر کیا جائے تاکہ آخرت میں خدا کے اوپر کسی کی حجت باقی نہ رہے۔

خدا کے اس پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچانے کے لیے اب کوئی پیغمبر آنے والا نہیں ہے۔ اب امت مسلمہ اس کی ذمہ دار ہے۔ خاتم النبیین کی امت کا اصل مشن دنیا میں یہی ہے کہ وہ اس پیغمبرانہ ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے اٹھے۔ یہ اس کا ایسا ناگزیر فریضہ ہے جس سے غفلت کسی حال میں معاف نہیں ہو سکتی

اسلامی مرکز کا قیام اس لئے عمل میں آیا ہے کہ امت مسلمہ کو اس کی اس ذمہ داری کی طرف متوجہ کرے اور تمام ممکن ذرائع سے حق کا پیغام لوگوں تک پہنچائے۔

یہ ایک باقاعدہ طور پر رجسٹرڈ ادارہ ہے اور ماہنامہ الرسالہ اسی کے آرگن کے طور پر جاری کیا گیا ہے۔

اسلامی مرکز کے پروگرام کو چلانے کے لئے آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ اسلامی مرکز کا مقصد پیغمبرانہ مشن کو زندہ کرنا ہے اس کے ساتھ تعاون کرنا پیغمبرانہ مشن کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔

اسلامی مرکز

دفتر الرسالہ متصل جمعیۃ بلڈنگ۔ قاسم جان اسٹریٹ، دہلی

فارم IV

دیکھو رول نمبر ۸

ماہنامہ الرسالہ - جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ ۔ دہلی ۶

۱۔ مقام اشاعت جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

۲۔ وقفۂ اشاعت ماہانہ

۳۔ نام پرنٹر (طابع) ثانی اثنین خاں

قومیت ہندوستانی

پتہ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

۴۔ نام پبلشر (ناشر) ثانی اثنین خاں

قومیت ہندوستانی

پتہ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

۵۔ نام ایڈیٹر (مدیر مسئول) ثانی اثنین خاں

قومیت ہندوستانی

پتہ جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ ۔ دہلی ۶

۶۔ نام اور پتہ مالک رسالہ ثانی اثنین خاں

جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶

میں ثانی اثنین خاں تصدیق کرتا ہوں کہ جو تفصیلات اوپر دی گئی ہیں، میرے علم و یقین کے مطابق صحیح ہیں۔

ثانی اثنین خاں

یکم مارچ ۱۹۸۰ء

ملی تعمیر کا کام

سب سے پہلے

ملت کے افراد میں

شعور پیدا کرنے کا کام ہے

اس کی

بہترین صورت یہ ہے کہ

الرسالہ کو

ایک ایک بستی اور

ایک ایک گھر میں

پہنچایا جائے۔

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیار اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دل چسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متعلق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کر کے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

حقیقت کی تلاش

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۶۰-قیمت ایک روپیہ

دین کی سیاسی تعبیر

(تعبیر کی غلطی کا خلاصہ)

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۷۰ قیمت -/۲

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

ہمدرد دواخانہ

آپ کی تندرستی اور صحت کا تقاضہ ہے کہ پہلے اپنے ملک کی جڑی بوٹیوں سے بنی ہوئی دوائیں استعمال کریں۔

پوسٹ بکس نمبر ۱۰۷۰، دلی ۶

اپنے ملک کی جڑی بوٹیوں سے تیار کی ہوئی دوائیں ۱۹۰۶ء سے پیش کر رہا ہے۔

اسلام کا تعارف

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۲۴، قیمت ۵۰/۰

اسلام

ایک عظیم جدوجہد

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۸۰ قیمت ۲/۰۰

مکتبہ الرسالہ

جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

سوشلزم

ایک غیر اسلامی نظریہ

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۷۲، قیمت ۲/۰۰

مارکسزم

تاریخ جس کو رد کر چکی ہے

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۱۴۸ قیمت ۳/۰۰

مکتبہ الرسالہ

جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

عربی مطبوعات

مولانا وحید الدین خاں کی کتابوں کے بعض عربی ترجمے (مطبوعہ قاہرہ) برائے فروخت مکتبہ الرسالہ میں موجود ہیں :

۱ - الإسلام يتحدى	۲۶۳ صفحات	قیمت ۲۰ روپے
۲ - الدين في مواجهة العلم	۱۱۲ صفحات	" ۱۰ روپے
۳ - حكمة الدين	۸۷ صفحات	" ۸ روپے
۴ - الإسلام والعصر الحديث	۷۷ صفحات	" ۸ روپے
۵ - مسئوليات الدعوة	۳۹ صفحات	" ۲ روپے
۶ - نحو تدوين جديد للعلوم الإسلامية	۲۶ صفحات	" ۲ روپے
۷ - إمكانات جديدة للدعوة	۳۴ صفحات	" ۲ روپے
۸ - الشريعة الإسلامية وتحديات العصر	۳۲ صفحات	" ۲ روپے
۹ - المسلمون بين الماضي والحال والمستقبل	۴۲ صفحات	" ۵ روپے
۱۰ - نحو بعث إسلامی	۳۲ صفحات	" ۵۰ پیسے

پندرہ روزہ

ترجمان

کتاب وسنت کا داعی ونقیب

زرتعاون سالانہ بارہ روپے

دفتر اخبار ترجمان

پوسٹ بکس نمبر 1306

دہلی — ۶

واعظین اور مقررین کے لئے

ایک تحفہ

علم دین کیا اور کیوں

از

مولانا کبیر الدین فاران مظاہری

صفحات —— ۷۲

قیمت —— دو روپے

مکتبہ عزیزیہ

رائے پور 247121 ضلع سہارنپور

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

- **دین کیا ہے**
  صفحات ۳۲ قیمت ۱/۵۰ روپے
- **تجدید دین**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/۰ روپے
- **مذہب اور جدید چیلنج**
  صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۳/۵۰ روپے
- **تعمیر ملت**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **الاسلام**
  صفحات ۱۷۶ قیمت ۱۲/- روپے
- **اسلام دین فطرت**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **ظہور اسلام**
  صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۲/- روپے
- **زلزلۂ قیامت**
  صفحات ۶۴ قیمت ۳/- روپے
- **اسلامی دعوت**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **تاریخ کا سبق**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **عقلیات اسلام**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- **قرآن کا مطلوب انسان**
  صفحات ۸۰ قیمت ۴/۵۰ روپے
- **مذہب اور سائنس**
  صفحات ۷۲ قیمت ۴/-
- **پیغمبر اسلام**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/-
- **سبق آموز واقعات**
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/-

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

خوشحالی کے لئے بچت

ابھی جمہوریہ کی 30 ویں سالگرہ پر ہم پرچم لہرائے اور نئے جوش وخروش کے ساتھ اپنے اعلان کردہ نصب العین —— اپنے تمام شہریوں کے لئے بہتر مستقبل —— کی طرف گامزن ہیں۔

ہمارے شریک کار بنئے۔ قومی بچتوں میں روپے لگایئے۔ ملک کی خدمت کرنے کا یہ ایک سنہری موقع ہے جبکہ آپ کے بچائے ہوئے روپے بڑھتے رہتے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے سے پانچ کروڑ سے زائد لوگ اس میں شامل ہو چکے ہیں۔

قومی بچت اسکیمیں پونجی جمع کرنے یا اپنے لئے باقاعدہ وقفوں سے آمدنی پیدا کرنے میں آپ کی امداد کرتی ہیں جس پر ٹیکس میں بھی رعایت ملتی ہے۔

قومی بچت اسکیمیں پیش کرتی ہیں :

- تحفظ —— آپ کا روپیہ سرکار کے پاس محفوظ رہتا ہے۔
- دلکشی —— کل پرائز ڈرا —— چھوٹی بچت کرنے والوں کے لئے مفت بیمہ۔ اور بڑی رقمیں لگانے والوں کو ٹیکس میں رعائتیں۔
- ایجنٹوں اور مہیلا پردھانوں کے وسیع سلسلے کے ذریعے خدمات کی فراہمی، آپ کے گھر پر۔
- نامزدگی کی سہولت۔
- سیونگز سرٹیفکیٹ / ٹائم ڈپازٹ اکاؤنٹس کو ضمانت کے طور پر بینکوں سے قرضے لینے کے لئے رہن رکھا جا سکتا ہے۔

ایک بار قومی بچت تحریک میں شامل ہو جائیے۔ آپ کو اس کے مزید بہت سے فائدے معلوم ہوں گے۔

قومی بچت ادارہ
پوسٹ بکس 96، ناگپور۔ 440001
سے رابطہ

davp 79/446

REGD. R. N. NO. 28822/76
REGD. D. (D) NO. 532

March 1980
Issue No. 40

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING, QASIMJAN STREET, DELHI 110006 INDIA PHONE 262331

اُمنگوں اور قوتوں میں کمی محسوس ہو تو پژمردہ نہ ہوجیے۔
اس کمی کی وجہ آپ کے جسم میں تغذیہ کی خرابی ہے اور یہ اتنی بڑی بات نہیں کہ آپ کو
زندگی کی بہاروں اور خوشیوں سے لطف اندوز ہونے سے روک دے۔

قوت میں کمی کے پہلے احساس کے ساتھ ہی آپ لحمینہ کا استعمال شروع کر دیجیے۔
لحمینہ آپ کے جسم کو طاقت و توانائی اور صحیح تغذیہ
دینے والے چالیس اہم اجزا کا مرکب ہے، جو
اعصاب کو نئی قوت پہنچاتے ہیں اور
اعضائے رئیسہ کو تازگی دیتے ہیں۔

اُمنگوں کی کمی سے
پژمردہ نہ ہوجیے!

مردوں اور عورتوں کے لیے
لحمینہ
جسمانی قوتوں کی بیداری کا نشان
ہمدرد

MAPP 1003 U